اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ

ماہنامہ

البرہان

جولائی ۲۰۲۵ء

لاہور

اسرائیل، امریکہ اور یورپ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں

مدیر: پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

CPL No. 296 Monthly Al Burhan July 2025

تین رنگوں میں قرآن حکیم کا اُردو ترجمہ سیکھنے کا آسان اور مؤثر طریقہ

اُردو میں عربی ذخیرۂ الفاظ کی مدد سے۔ نہ عربی گرامر، نہ رٹّا

اسباق کی شکل میں: مشکل الفاظ کے معانی، مفہوم کا خلاصہ اور حاصل کردہ سبق

تدریس القرآن

مرتب: پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

پہلے پارہ کا ترجمہ سیکھنے کے بعد سارے قرآن کا ترجمہ ۸۰ فیصد سمجھ آنے کی گارنٹی

پی ڈی ایف پڑھیے، کتاب حاصل کیجیے یا اس کے اسباق یوٹیوب پر دیکھیے

جب تک ہم اللہ کی کتاب (قرآن مجید) نہیں سمجھیں گے اس پر عمل کیسے کریں گے؟

اور جب تک ہم اس پر عمل نہیں کریں، دنیا و آخرت میں کامیاب کیسے ہوں گے؟

تدریس القرآن کی طباعت و اشاعت اور تعلیمی اداروں اور پبلک میں اس کی ترویج کی کوششوں میں ہمارا ہاتھ بٹائیے

تحریک رجوع الی القرآن

کیمپ آفس: 127 علی ٹاؤن، ٹھوکر نیاز بیگ، رائے ونڈ روڈ لاہور

0300-4354673 0300-4107282 0336-1913636

Prof.Dr. Muhammad Amin Muhammad Amin

Soneri Bank: PK92SONE0000120000056341 تحریک اصلاحِ تعلیم ٹرسٹ

یہ اسباق یوٹیوب پر بھی موجود ہیں:
Prof.Dr. Muhammad Amin

تدریس القرآن

مرتب: پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

قرآن حکیم کا ترجمہ سیکھنے کے لیے

سبق: ۱۷

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ

اٰیاتھا ۲۸۶ · رکوعاتھا ۴۰

آیت (۸۴_۸۹)

متن قرآن حکیم مع ترجمہ لفظی و بامحاورہ	قرآنی لفظ	اردو استعمال
وَاِذْ · اَخَذْنَا · مِيْثَاقَكُمْ · لَا · تَسْفِكُوْنَ · دِمَآءَكُمْ	تَسْفِكُوْنَ	سفّاک، سفّاکی، سفّاکیت
اور جب · لیا ہم نے · پختہ عہد تم سے · نہ · تم بہاؤ گے · خون اپنے	دِمَآءَكُمْ	دم واجب ہونا
اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا کہ تم اپنے (لوگوں) کا خون		
وَلَا · تُخْرِجُوْنَ · اَنْفُسَكُمْ · مِّنْ دِيَارِكُمْ · ثُمَّ · اَقْرَرْتُمْ	دِيَارِكُمْ	دیارِ غیر، دار، دارِ ارقم
اور نہ · تم نکالو گے · اپنے آپ کو · اپنے گھروں سے · پھر · اقرار کیا تم نے	اَقْرَرْتُمْ	اقرار کرنا، مَن مقرّ
نہیں بہاؤ گے اور نہ ان کو ان کے گھروں سے نکالو گے تو تم نے اس کا اقرار کیا		
وَاَنْتُمْ · تَشْهَدُوْنَ ﴿84﴾ · ثُمَّ · اَنْتُمْ · هٰٓؤُلَآءِ · تَقْتُلُوْنَ · اَنْفُسَكُمْ	تَشْهَدُوْنَ	شاہد، شہید، شہداء
اور تم · اس کے گواہ ہو۔ · پھر · تم · وہ لوگ ہو · تم قتل کرتے ہو · اپنے آپ کو	تَقْتُلُوْنَ	قتل، قاتل، مقتول، مقتل
اور تم خود اس پر گواہ ہو۔ پھر تم ہی ہو جو اپنے		
وَتُخْرِجُوْنَ · فَرِيْقًا مِّنْكُمْ · مِّنْ دِيَارِهِمْ ز · تَظٰهَرُوْنَ · عَلَيْهِمْ	فَرِيْقًا	فریق، فرقہ واریت
اور نکالتے ہو تم · ایک گروہ کو اپنے میں سے · ان کے گھروں سے · تم چڑھائی کرتے ہو · ان پر	تَظٰهَرُوْنَ	ظاہر، ظہور، مظہر، ظِہار
(آدمیوں) کو قتل کرتے ہو اور کچھ کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو، ان پر	بِالْاِثْمِ	راقم آثم
بِالْاِثْمِ · وَالْعُدْوَانِ ط · وَاِنْ · يَّاْتُوْكُمْ · اُسٰرٰى · تُفٰدُوْهُمْ	الْعُدْوَانِ	عدو، عداوت، عدوان
ساتھ گناہ · اور زیادتی کے · اور اگر · وہ آئیں تمہارے پاس · قیدی ہو کر · تو تم فدیہ دیتے ہو ان کا	اُسٰرٰى	ایام اسیری، اسیرِ زلف
چڑھائی کر کے، گناہ اور زیادتی کرتے ہوئے اور جب وہ قید ہو جائیں تو ان کا فدیہ دیتے ہو	تُفٰدُوْهُمْ	فدیہ دینا، فدیہ لینا
وَهُوَ · مُحَرَّمٌ · عَلَيْكُمْ · اِخْرَاجُهُمْ ط · اَفَتُؤْمِنُوْنَ · بِبَعْضِ	مُحَرَّمٌ	حرام، حرمت، محرّم
حالانکہ وہ · حرام تھا · تم پر · ان کا نکالنا · کیا تم ایمان لاتے ہو · ایک حصے پر	اِخْرَاجُهُمْ	خارج، خارجی، خروج
حالانکہ ان کو (گھروں سے) نکالنا ہی تم پر حرام تھا۔ کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر	تَكْفُرُوْنَ	کفر، کافر، کفار، تکفیر
الْكِتٰبِ · وَتَكْفُرُوْنَ · بِبَعْضٍ ج · فَمَا · جَزَآءُ · مَنْ · يَّفْعَلُ · ذٰلِكَ	جَزَآءُ	جزائے خیر، جزاک اللہ
کتاب کے · اور تم انکار کرتے ہو · ایک حصے کا · پس کیا · بدلہ ہے · جو · وہ کرتا ہے · یہ	يَّفْعَلُ	فعل، فاعل، افعال، مفعول
ایمان لاتے ہو اور ایک حصے کا انکار کرتے ہو۔ تو کیا بدلہ ہے اس کا		

متن قرآن حکیم مع ترجمہ لفظی و بامحاورہ	قرآنی لفظ	اردو استعمال
مِنۡكُمۡ اِلَّا خِزۡىٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ	الۡحَيٰوةِ	آب حیات، احیائے دین
تم میں سے سوائے رسوائی کے دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن		
جو تم میں سے یہ کرے سوائے دنیا کی زندگی میں رسوائی کے اور قیامت		
يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الۡعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ	يُرَدُّوۡنَ	رد کرنا، تردید، مردود ہونا
وہ پھیر دیئے جائیں گے سخت عذاب کی طرف اور نہیں ہے اللہ غافل	اَشَدِّ	شدید، شدت، اشد ضروری
کے دن ان کو سخت عذاب دیا جائے گا اور اللہ بےخبر نہیں ہے	بِغَافِلٍ	غافل، غفلت، تغافل
عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿85﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اشۡتَرَوُا الۡحَيٰوةَ	تَعۡمَلُوۡنَ	عمل، اعمال، عامل، معمول
اس سے جو تم کرتے ہو۔ یہ لوگ جنہوں نے خریدی زندگی	اشۡتَرَوُا	بیع وشراء، مشتری ہوشیار باش
اس سے جو کچھ تم کرتے ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے		
الدُّنۡيَا بِالۡاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ	يُخَفَّفُ	تخفیف، خفیف، مخفف
دنیا کی بدلے آخرت کے پس نہ کم کیا جائے گا ان پر سے عذاب		
بدلے دنیا کی زندگی خریدی اس لیے نہ ان پر سے عذاب کم کیا جائے گا		
وَلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿86﴾ ع وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى	يُنۡصَرُوۡنَ	نصرت، ناصر، منصور
اور نہ وہ وہ مدد کیے جائیں گے۔ اور تحقیق دی ہم نے موسیٰ		
اور نہ کوئی ان کی مدد کر سکے گا۔ ہم نے موسیٰ کو		
الۡكِتٰبَ وَقَفَّيۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ بِالرُّسُلِ ۡ وَاٰتَيۡنَا	قَفَّيۡنَا	قافیہ، مقفیٰ و مسجع کلام
کتاب اور مسلسل بھیجے ہم نے اس کے بعد رسول اور دیں ہم نے	بِالرُّسُلِ	رسول، رسالت، مرسلین
کتاب دی اور اس کے بعد مسلسل انبیاء بھیجے اور ہم نے		
عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ الۡبَيِّنٰتِ وَاَيَّدۡنٰهُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ؕ	الۡبَيِّنٰتِ	بیان، تبیین، مبین، بیانیہ
عیسیٰ ابن مریم کو کھلی نشانیاں اور تائید کی ہم نے اس کی روح پاک سے	اَيَّدۡنٰهُ	تائید کرنا، مؤید ہونا
عیسیٰ ابن مریم کو کھلی نشانیاں عطا کیں اور روحِ پاک سے اس کی تائید کی۔	بِرُوۡحِ	روح، ارواح، روحانی
اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا تَهۡوٰٓى	الۡقُدُسِ	تقدس، تقدیس، مقدس
کیا پھر جب کبھی آیا پاس تمہارے کوئی رسول اُس سے جو نہیں پسند تھا		
کیا پھر جب بھی کبھی تمہارے پاس رسول ایسا (پیغام) لے		

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۸)

ماہنامہ
البرہان
لاہور
Since 2010
جلد ۲۹ شمارہ ۷
برائے آن لائن مطالعہ
www.alburhaan.pk
جولائی ۲۰۲۵ء/محرم الحرام ۱۴۴۷ھ

آئینہ مضامین

شذرات
- اسرائیل و امریکہ کی مذمت ومخالفت اور ایران کی حمایت — مدیر — ۴
- ٹرمپ کو امن کا نوبل پرائز دینے کی مخالفت - اصل بحران اخلاقی ہے

تفہیم دین
تعزیتِ عید یا شہرِ آشوبِ اسلام — علامہ شبلی نعمانیؒ — ۸

تعلیم و تربیت
- ہر شعبۂ زندگی کے لیے افراد تیار کرنا علماء کرام کی ذمہ داری ہے — مولانا سلیم اللہ خانؒ — ۱۱
- تدریس: خدمتِ خلق یا پروفیشنل فیلڈ؟ — پروفیسر عاصم حفیظ — ۱۲
- پاکستانی جامعات میں پنپتی تحقیق کی نئی روایت — ڈاکٹر محمد ارشد — ۱۵

میڈیا
میڈیا کے ہوشربا اثراتِ بد: امیج کلچر کی مابعد الطبیعیات — ڈاکٹر فصیح احمد — ۲۰

مطالعۂ کتاب
- قرآنی اُردو- اشتقاقی انسائیکلو پیڈیا — مدیر — ۳۶

اسلام اور مغرب
- ریاست کی اسلامائزیشن — ڈاکٹر حافظ عثمان احمد — ۴۱
- مذاہب کا اتحاد اور ابراہیمی ہاؤس کا قیام غیر شرعی ہے — سعودی فتویٰ کمیٹی — ۴۳

فقہ و قانون
نکاح کی عمر کے حوالے سے غیر شرعی حکومتی فیصلہ — پروفیسر ڈاکٹر محمد امین — ۴۵

تفہیم مغرب
- مغرب افریقہ کا استحصال کس طرح کر رہا ہے؟ — ابراہیم ترورے — ۴۹
- آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں — ادارہ — ۵۲
- جنگجو اور دہشت گرد امریکہ — ادارہ — ۵۵

عالم اسلام
پاکستان اور افغانستان — ڈاکٹر حافظ حسن مدنی — ۵۷

English Section — ۶۶
How Monetary Myths Conceal Power? — Dr. Asad Zaman

مدیر
ڈاکٹر محمد امین

ادارۂ تحریر
ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری
حافظ محمد عمران طحاوی

لیگل ایڈوائزر
محمد یحییٰ رشید، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

انچارج سرکولیشن
(0300-4107282)
[برائے خریداری، تجدید، شمارہ تاخیر سے ملنے کی شکایت اور مکتبہ البرہان کی کتب کی خریداری کے لیے]

زرِ اعانت: فی شمارہ 85 روپے
سالانہ 1000 روپے- پانچ سال: 5000 روپے
تاحیات 20,000 روپے

تحریک اصلاحِ تعلیم ٹرسٹ
سونیری بنک لمیٹڈ، مین برانچ، لاہور
PK92SONE0000120000056341

برائے رابطہ
136 نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

کمپوزنگ: حافظ محسن یوسف
0306-4640366

شذرات　　مدیر

ایران، اسرائیل جنگ

اسرائیل وامریکہ کی مذمت اورایران کی حمایت ضروری ہے

اسرائیل وامریکہ کی مذمت ومخالفت

اسرائیل برطانیہ کی مدد سے وجود میں آیا جب وہ ورلڈ پاور تھا اور دیگر یورپین ممالک اس کے اتحادی تھے۔اب مغرب کی لیڈرشپ امریکہ کے پاس ہے تو امریکہ اسرائیل کا پاسبان ہے اور سارے یورپی ممالک اس کے حمایتی ہیں۔مسلمان ممالک خواہ کتنے ہی گئے گزرے ہوں اگر آج امریکہ اور یورپ کی چھتری اسرائیل کو میسر نہ رہے،تو وہ اسے بہرحال ختم کردیں گے۔مطلب یہ کہ اسرائیل اس وقت تک قائم ہے تو امریکہ ویورپ کی مدد سے۔اس سے اور دوسرے بہت سے مظاہر سے واضح ہے کہ امریکہ ویورپ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ اسرائیل کی اسلام ومسلم دشمنی بھی ظاہروباہر ہے۔ بلکہ امریکہ اپنی مسلم دشمنی میں اسرائیل سے بھی آگے ہے چنانچہ اسرائیل نے غزہ پر حملہ کرکے اسے تباہ وبرباد کیالیکن جب ٹرمپ امریکہ میں برسراقتدار آیا تو اس نے اسرائیلی یہودیوں کو ہلاشیری دیتے ہوئے کہا کہ غزہ کی تباہی کافی نہیں،فلسطینیوں کو وہاں سے نکالو اور اسے اپنی مملکت کا باقاعدہ حصہ بناؤ۔ فلسطینی دربدر ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں۔حاصل یہ کہ اسرائیل،امریکہ اور یورپ کی مسلم واسلام دشمنی واضح ہے لہٰذا سارے عالم اسلام کے مسلمانوں اور مسلم حکمرانوں کو ان کی مخالفت ومذمت کرنی چاہیے اور مسلمانوں کے اندر اس جذبے کو فروغ دینے کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔

ایران کی حمایت

پاکستان کے عوام، دینی جماعتیں،حکمران اور وہ لوگ جو ایرانی انقلاب کو عین اسلامی انقلاب سمجھتے ہیں ایران کی حمایت کررہے ہیں سوائے چند لوگوں کے جو اہل تشیع کے سخت خلاف ہیں۔وہ یا تو انہیں کافر قرار دیتے ہیں یا ایرانی انقلاب کو شیعہ انقلاب سمجھتے ہیں یا اسے امریکا کا ہم نوا قرار دیتے ہیں۔ جہاں تک البرہان کا تعلق ہے ہم فلسطین کے لیے ایرانی اقدامات کی حمایت کرتے ہیں۔ بلاشبہ حماس،حزب اللہ اور حوثیوں کے ذریعے اسرائیل پر

حملے ایران کی پلاننگ اور مدد سے ہوئے۔ اس بات کو اسرائیل، امریکہ اور یورپ سمجھتے ہیں، اسی وجہ سے اسرائیل نے ایران پر حملہ کیا ہے۔ امریکہ نے اسے مذاکرات میں الجھایا اور اسرائیل نے اس پر حملہ کر دیا۔ بلاشبہ اسرائیل کو پہل کرنے کی وجہ سے کافی فائدہ ہوا اور وہ ایران کو کافی نقصان پہنچانے میں کامیاب ہوا لیکن ایران نے بہر حال پلٹ کر وار کیا اور اسرائیل کے ہوش ٹھکانے آ گئے۔ جب سے اسرائیل قائم ہوا ہے، اسے اتنی تباہی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اس کی ٹھیک ٹھاک پٹائی ہوئی ہے لہٰذا اب امریکہ براہ راست ایران پر حملہ کرنے کا سوچ رہا ہے۔ اس صورتِ حال میں سارے مسلمانوں اور حکمرانوں کو ایران کی حمایت کرنی چاہیے اور جتنا ہو سکے، اس کی مدد کرنی چاہیے۔

ماضی میں اہل تشیع کی سنی مسلم اکثریت سے کشمکش کسی صاحبِ علم سے مخفی نہیں ہے اور ایران میں انقلاب نے اپنے رویوں سے ثابت کیا ہے کہ یہ ''اسلامی انقلاب'' نہیں بلکہ ''شیعہ انقلاب'' ہے۔ ایران نے یہ انقلاب پاکستان میں برآمد کرنے کی کوشش کی جس کی مزاحمت کرنے کے لیے ایک مؤثر سنی گروپ وجود میں آیا اور برسوں پاکستان میں قتل وغارت ہوتی رہی۔ پھر ایران نے شرق اوسط میں مضبوط ترین صدام حسین کی سنی حکومت سے جنگ شروع کر دی جو ۸ سال جاری رہی۔ پھر اس نے عراق پر امریکی حملے کی (خفیہ) حمایت کی اور وہاں کئی شیعہ ملیشیاز قائم کیں جنھوں نے سنی مسلمانوں کو اتنا دبایا اور کچلا کہ وہ داعش بنا کر مزاحمت کرنے لگے۔ پھر ایران نے شام میں مداخلت کی اور بہت معمولی اقلیت رکھنے والی شیعہ حکومت کی مدد کی جس نے انتہائی بے رحمی سے لاکھوں سنی مسلمانوں کو کچلا اور تباہ کیا۔ اس نے لبنانی شیعوں سے مل کر وہاں ''حزب اللہ'' قائم کی، اسے مسلح کیا، تربیت دی اور مالی مدد دی۔ اس نے یمن میں شیعہ عناصر کی اتنی مدد کی کہ اس نے سنی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور سعودی عرب پر حملے شروع کر دیے۔ واضح رہے کہ جدہ پر میزائل حملے، حرم کعبہ سے دو چار منٹ کی فضائی مسافت پر ہیں۔ بحرین میں بھی ایران نے شیعہ عناصر کی مدد کی اور انہیں سنی حکمرانوں کو غیر مستحکم کرنے کے لیے استعمال کیا۔ ان سب امور سے ظاہر ہے کہ ایران کا انقلاب درحقیقت شیعہ انقلاب ہے اور وہ برسوں سے اسے ہمسایوں اور مشرق وسطیٰ میں برآمد کرنے کے لیے کوشاں ہے۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ایک طبقہ کا خیال ہے کہ ہمیں ایران کی حمایت نہیں کرنی چاہیے لیکن اس مسئلے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ بہر حال مسلمان ہیں، کافر نہیں دوسری جانب

قرآن حکیم نے واضح طور پر یہودیوں اور نصرانیوں کو کافر کہا ہے۔اس لیے ان کی طرف سے ایران پر جارحیت کی صورت میں ہمیں بہرحال اسرائیل، امریکہ ویورپ کی مخالفت اور مذمت کرنی چاہیے اور ایران کی حمایت کرنی چاہیے۔ ایران پر حملہ اور اسے تباہ کرنے کی کوشش بلاشبہ یہود ونصاریٰ کی اسلام اور مسلم دشمنی کا مظہر ہے اور اس کے لیے ہمیں ایران کی حمایت اور مدد کرنی چاہیے۔

ایران کی حمایت ہمیں ایک اور وجہ سے بھی کرنی چاہیے اور وہ یہ کہ اسرائیل اور امریکہ کی شدید خواہش یہ ہے کہ وہ ایرانی حکومت کا تختہ الٹ دے اور وہاں اس کے حمایت یافتہ ٹوڈی حکمران برسراقتدار آجائیں۔ یہ پاکستان کے لیے بہت خطرناک ہوگا کیونکہ وہ اس طرح کافر بھارت اور اسرائیل نواز یہودی حکومت کے درمیان گھر جائے گا اور ان دونوں کے درمیان سینڈوچ بن جائے گا اور اس کی سکیورٹی خطرے میں پڑ جائے گی۔

ٹرمپ کو امن کا نوبل پرائز دینے کی مخالفت

قرآن وسنت یہود ونصاریٰ کو کافر اور مسلمانوں کا دشمن قرار دیتے ہیں۔پچھلی دو تین صدیوں میں یورپ وامریکہ نے جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کیا ہے، اس کے بعد اس امر میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ امریکہ ویورپ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔

ٹرمپ اسرائیل سے بڑھ کر فلسطینیوں کا دشمن ہے۔اسرائیلیوں نے تو غزہ کو تباہ کیا تھا۔ ٹرمپ نے انہیں کہا کہ اسے فلسطینیوں سے خالی کراؤ تا کہ وہ اپنی زمین سے محروم ہو کر دربدر دھکے کھائیں۔ نیز اسرائیل جو کر رہا ہے وہ امریکہ ویورپ کی مدد اور اشیرباد سے کر رہا ہے لٰہذا فلسطینیوں کے قاتل ٹرمپ کو نوبل انعام دینا ظلم، ناانصافی، زیادتی اور مضحکہ خیز ہے۔ ہم حکومت پاکستان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس تجویز کو واپس لے اور مسلمانوں کے دل چھلنی نہ کرے۔کیا یہ ٹرمپ سے تازہ ملاقات کا اثر ہے؟

اصل بحران اخلاقی ہے

دنیا میں کسی قوم اور تہذیب کا اس سے بڑا المیہ کیا ہوسکتا ہے کہ وہ ملک جو خود کو ورلڈ پاور کہتا اور سمجھتا ہے، اس کا سربراہ علی الاعلان، دھڑلے سے، ساری دنیا کے سامنے جھوٹ بولتا

ہے۔امریکی صدر ٹرمپ نے کہا کہ وہ دو ہفتے میں اسرائیل،ایران جنگ کے بارے میں فیصلہ کرے گا اوراس نے ایک دن بعد ایران کی ایٹمی تنصیبات پر حملہ کر دیا۔اس سے پہلے اس نے ایران کو مذاکرات میں الجھائے رکھا اوراس کی ملی بھگت سے اسرائیل نے ایران پر حملہ کر دیا۔ اس سے پہلے اس نے اپنی انتخابی مہم میں کہا تھا کہ وہ دنیا سے جنگوں کا خاتمہ کرے گا اوراقتدار میں آتے ہی اس نے اسرائیل کو اشیر باد دی کہ فلسطینیوں کو دربدر کرنے کے لیے غزہ ان سے خالی کراؤ۔مطلب یہ کہ ٹرمپ نے مسلسل جھوٹ بول کر خود کو ناقابل اعتماد ثابت کر دیا۔

اس کے علاوہ بھی دیکھیے کہ فلسطینیوں کے حقوق غصب کر کے برطانیہ نے یہودیوں کو فلسطین میں بسایا، پھر یورپ وامریکہ نے اسرائیل کو مسلح کیا، اسے ہر قسم کی مدد دی اوراسے ہمسایہ عرب ممالک کے مقابلے میں طاقتور بنایا۔عربوں کے ہاں سازشیں کر کے انہیں کمزور اور بے بس بنایا۔سلامتی کونسل میں امریکہ اسرائیل کے خلاف قراردادوں کو ویٹو کر دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مغربی تہذیب اور اس کے علمبرداروں کی بنیاد ہی جھوٹ ، منافقت اور جارحیت پر ہے۔اس سے دنیا میں امن اور سلامتی کیسے ممکن ہے؟

بقیہ: علامہ شبلی کی تعزیتِ عید یا شہرِ آشوبِ اسلام

زوال دولتِ عثماں ، زوال شرع ملت ہے
عزیزو! فکر فرزند وعیال وخانماں کب تک

خدارا تم یہ سمجھے بھی کہ یہ تیاریاں کیا ہیں
نہ سمجھے اب تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستاں کب تک

پرستاران خاک و کعبہ دنیا سے اگر اُٹھے
تو پھر یہ احترام سجدہ گاہ قُدسیاں کب تک

جو گونج اُٹھے گا عالم شور ناموش کلیسا سے
تو پھر یہ نغمۂ توحید وگلبا نگِ اذاں کب تک

بکھرتے جاتے ہیں شیرازۂ اوراق اسلامی
چلیں گی تند بادِ کفر کی یہ آندھیاں کب تک

کہیں اُڑ کر نہ دامانِ حرم کو بھی یہ چھو آئے
غبار کفر کی یہ بے محابا شوخیاں کب تک

حرم کی سمت بھی صید افگنوں کی جب نگاہیں ہیں
تو پھر سمجھو کہ مرغان حرم کا آشیاں کب تک

جو ہجرت کر کے بھی جائیں تو شبلی اب کہاں جائیں
کہ اب امن وامان شام ونجد وقیرواں کب تک

(دیوان شبلی ۱۲۲۔۱۲۵)

تفہیم دین

ڈاکٹر محمد ارشد

علامہ شبلیؒ کی تعزیتِ عید یا شہرِ آشوبِ اسلام

آج سے ٹھیک ۱۱۴ سال پہلے طرابلس پر اطالویوں کے تسلط اور وہاں کے نہتے اور لاچار مسلمانوں (طرابلس اس وقت دولت عثمانیہ کا حصہ تھا مگر وہاں فوجی کمک مصر وسوڈان کے راستے سے ہی روانہ کی جاسکتی تھی، ان دونوں ممالک پر برطانوی تسلط قائم تھا، اور شر اور بدی کی اس قوت نے اس کی اجازت دینے سے انکار کردیا تھا) کے قتل عام کا دلخراش واقعہ پیش آیا تو دردِ دل رکھنے والے مسلمان تڑپ اٹھے تھے۔ اقبال اور دوسرے نامور شاعروں نے نہایت پراثر اور پر درد نظمیں لکھیں۔ جو جہاد کی سکت رکھتے تھے دور دراز سے اٹھے اور پر مشقت طول طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے اپنے مظلوم ومحکوم مسلمان بھائیوں کے شانہ بشانہ جہاد کے لیے نکل پڑے۔ طرابلس کا معرکہ ابھی تھما نہ تھا کہ ۱۹۱۲ء میں بلقانی جنگیں شروع ہوگئیں۔ روس اور بعض مغربی ممالک کی بھرپور حمایت ونصرت سے بلقانی ریاستوں نے عثمانی سلطنت کے خلاف بغاوت کردی اور ان ریاستوں میں آباد مسلمان آبادیوں کو اپنے غیض وغضب اور جوشِ انتقام کا نشانہ بنایا۔ لاکھوں مسلمان قتل اور زخمی ہوئے اور لاکھوں کی تعداد میں ان علاقوں سے ہجرت کرکے موجود ترکی میں شامل علاقوں کی طرف بے سروسامانی سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔

ان دلخراش حوادث وواقعات کے دوران میں عید کا تہوار آگیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اس موقع پر اپنے اخبار ''الہلال'' کے ۲۰ رنومبر ۱۹۱۲ء کی اشاعت میں ''شہرِ آشوبِ اسلام یا تعزیت عید'' کے عنوان سے علامہ شبلی نعمانی کی ایک نہایت پردرد اور پراثر نظم اپنے تعارفی نوٹ کے ساتھ شائع کی۔ علامہ شبلی نعمانی کی یہ نظم آج کے فلسطینی مسلمانوں کی حالت زار پر پوری طرح سے صادق آتی ہے۔ گزشتہ ایک سال اور آٹھ ماہ سے ان پر ڈھائے جانے والے آلام ومصائب ہی کی صحیح عکاسی کرتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ آج مسلمانوں میں نہ کوئی شبلی ہے نہ اقبال۔ آج دنیائے اسلام کے حکمرانوں نے خود کو انتہائی ذلیل ترین مخلوق ثابت کیا ہے اور تو اور مسلمانوں کے ادیبوں اور شاعروں کی بھی اخلاقی موت واقع ہوچکی ہے۔ مسلمان

ادیبوں اور شاعروں کی یہ بدترین نسل اپنے نظموں اور ڈراموں، ناولوں میں سفلی جذبات واحساسات، اخلاق سوز عشق ومحبت کی داستانیں بیان کرنے اور قوم کو اخلاقی موت سے ہمکنار کرنے میں کوشاں ہیں۔ اس بدترین مخلوق کے لکھے ہوئے ڈراموں سے (جو بیسیوں ٹی وی چینلوں سے دن رات نشر ہورہے ہیں) نئی نسل کو اخلاق باختگی کا درس دیا جارہا ہے۔ آج تک کسی فلم، کسی ڈرامے، کسی ناول کا موضوع اس روئے زمین کی سب سے مظلوم فلسطینی قوم نہیں بن سکی۔ ادب وشعر کی تدریس اور خدمت کے نام سے جو مخلوق سرکاری یونیورسٹیوں میں سرکاری وسائل پر پرورش پارہی ہے وہ بے چارے باہم دگر ایک دوسرے کے نادیدہ ادبی، علمی اور تحقیقی کمالات ومحاسن پر مقالات، کتابیں اور علمی ارمغان لکھوانے یا پھر چند ٹکوں کے عوض ٹی وی چینلوں کے لیے ایمان وحیا اور اخلاق سوز عشقیہ ڈرامے لکھنے میں مصروف ہے۔

مولانا آزاد کے اخبار الہلال میں شائع ہونے والی مولانا شبلی نعمانی کی نظم قارئین کی نذر کی جاتی ہے۔ اس موسم پہ ''تعزیتِ عید'' آہ کوئی غزہ کے بے کس اور بے سہارا مسلمانوں سے تو پوچھے۔

شہرآشوبِ اسلام یا تعزیت عید

علامہ شبلی نعمانی

حکومت پر زوال آیا تو پھر نام و نشان کب تک
چراغ کشتۂ محفل سے اُٹھے گا دُھواں کب تک

قبائے سلطنت کے گر فلک نے کر دیے پرزے
فضائے آسمانی میں اڑیں گی دھجیاں کب تک

مراکش جا چکا، فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ترکی کا مریض سخت جاں کب تک

یہ سیلاب بلا بلقان سے جو بڑھتا آتا ہے
اُسے روکے گا مظلوموں کی آہوں کا دھواں کب تک

یہ سب ہیں رقص بسمل کا تماشا دیکھنے والے
یہ سیر اُن کو دکھائے گا شہید نیم جاں کب تک

یہ وہ ہیں نالۂ مظلوم کی لے جن کو بھاتی ہے
یہ راگ اُن کو سنائے گا یتیم ناتواں کب تک

کوئی پوچھے کہ اے تہذیب انسانی کے استادو
یہ ظلم آرائیاں تاکے یہ حشر انگیزیاں کب تک

یہ جوش انگیزیٔ طوفان بیدادو بلاتا کے!
یہ لطف اندوزیٔ ہنگامۂ آہ و فغاں کب تک

یہ مانا تم کو تلواروں کی تیزی آزمانی ہے
ہماری گردنوں پر ہو گا اس کا امتحاں کب تک

نگارستان خوں کی سیر گر تم نے نہیں دیکھی!
تو ہم دکھلائیں تم کو زخم ہائے خونچکاں کب تک

یہ مانا گرمیٔ محفل کے ساماں چاہئیں تم کو
دکھائیں ہم تمھیں ہنگامۂ آہ و فغاں کب تک

یہ مانا قصہ غم سے تمھارا جی بہلتا ہے
سنائیں تم کو اپنے درد دل کی داستاں کب تک

یہ مانا تم کو شکوہ ہے فلک سے خشک سالی کا
ہم اپنے خون سے سینچیں تمھاری کھیتیاں کب تک

عروس بخت کی خاطر تمھیں درکار ہے افشاں!
ہمارے زرہ ہائے خاک ہوں گے زرفشاں کب تک

کہاں تک لو گے ہم سے انتقام فتح ایوبیؔ
دکھاؤ گے ہمیں جنگ صلیبی کا سماں کب تک

سمجھ کر یہ کہ دُھندلے سے نشان رفتگاں ہم ہیں
مٹاؤ گے ہمارا اس طرح نام و نشان کب تک

(بقیہ صفحہ نمبر:۷)

تعلیم و تربیت

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خانؒ

ہر شعبۂ زندگی کے لیے افراد تیار کرنا

علماء کرام کی ذمہ داری ہے

''مَیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جتنے بھی دینی مدارس ہیں یہ قرآن وسنت کی حفاظت کا اعلیٰ طریقہ اختیار کیے ہوئے ہیں، اس کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھنا ضروری ہے۔ اس کے اندر کسی قسم کی کوئی کوتاہی کی ہرگز قبول نہیں ہوگی۔ لیکن اس پر اکتفا کرنا اب کافی نہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ آپ باقاعدہ ایسے انگریزی مدارس قائم کریں جن میں اعلیٰ درجے کی ان کو انگریزی زبان بھی سکھائی جائے اور اعلیٰ درجے کی ان کی تربیت بھی کی جائے اور ان کو ایسا بنا دیا جائے کہ وہ عصر حاضر کے ہر چیلنج کا مقابلہ کرسکیں۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے اصول ہشتگانہ میں یہ تصریح ہے کہ عصری علوم کا اہتمام کیا جائے، ان سے اعراض نہ کیا جائے۔ اگر اس طرح کے ماڈرن انگلش مدارس بنائے جائیں گے تو ایک کھیپ تیار ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جتنے لوگ آپ کے تیار ہوجائیں گے وہ فوج کے اونچے عہدوں پر بھی پہنچیں گے، عدلیہ کے اونچے عہدوں پر بھی پہنچیں گے اور اسی طرح دوسرے مقامات پر آپ کے تیار کیے ہوئے لوگ موجود ہوں گے۔ یہ صورتِ حال آپ نے اختیار کی تو آپ موجودہ حالات کا مقابلہ کرسکیں گے۔''[1]

البرہان

شیخ الحدیث علیہ الرحمۃ کے اس خطاب کو ۱۹ برس بیت چکے۔ یہ بھی یاد رہے کہ آپ دینی مدارس کے سب سے بڑے وفاق ''وفاق المدارس العربیہ'' کے صدر تھے۔ کیا ہم ادب کے ساتھ پوچھ سکتے ہیں کہ حضرت کے اپنے قائم کردہ ادارے ''جامعہ فاروقیہ'' یا وفاق المدارس کے ۲۵،۰۰۰ کے قریب دینی مدارس اور ان کے علماء کرام نے حضرت شیخ الحدیثؒ کی نصیحت پر کتنا عمل کیا ہے؟ یا موجودہ صدرِ وفاق حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب، حضرت شیخ الحدیثؒ کی اس نصیحت پر کتنا عمل کررہے ہیں؟

[1] خطاب جامعہ حقانیہ ساہیوال مورخہ ۱۱ شعبان ۱۴۲۸ھ

تعلیم و تربیت

پروفیسر عاصم حفیظ(۱)

تدریس: خدمتِ خلق یا پروفیشنل فیلڈ؟

استاد اور تعلیمی ادارے: بدلتے تقاضے اور نئی دنیا میں جینے کا سلیقہ

گزشتہ دہائی میں ہمارے ہاں تیزی سے معاشرتی، سماجی، معاشی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ ہمارے ہاں ترقی وٹیکنالوجی کی تبدیلی قدرے سست ہوتی ہے لیکن کرونا کے دھچکے نے دنیا کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی ہلا دیا۔ ہر شعبے میں بہت کچھ بدلا ہے۔ ہمارا موضوع شعبہ تعلیم ہے۔ ہوا یہ کہ خصوصاً سرکاری شعبہ تعلیم سکولز میں گزشتہ دس سال سے کوئی بھرتی نہیں ہوئی جبکہ زیادہ تعداد اس سے بھی کہیں پہلے بھرتی ہونے والوں کی ہے۔ ہمارے ہاں بہت سے لوگ شائد جن کی اکثریت بھی ہے وہ نہ صرف شعبہ تعلیم۔ حکومتی نظام۔ پرائیویٹ کارپوریٹ کلچر اور ٹیکنالوجی کی بنیاد پر بدلتے تقاضوں کو اس تیزی سے سمجھ ہی نہیں سکے جس قدر تیزی سے تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ وہ پریشان ہیں اور معیار زندگی کی دوڑ میں مشکلات کا شکار۔ ہم تنقید کر سکتے ہیں، احتجاج کر سکتے ہیں، بحث ومباحثہ کر سکتے ہیں۔ جتنا چاہے وقت صَرف کر سکتے ہیں لیکن حقیقت یہی ہے کہ جو حکومتی سسٹم اور کارپوریٹ کلچر ڈیزائن کیا جا چکا ہے، آپ اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ آپ پریشان ہوں گے اور مشکلات کا شکار۔

اگر آپ تدریس سے منسلک ہیں یا ہونا چاہتے ہیں۔ نوکری شروع ہی کی ہے، مڈکیریئر ہیں یا ریٹائرمنٹ کے قریب۔ آپ اگر ان تیزی سے ہوتی تبدیلیوں کو نہیں سمجھیں گے، اپنی تیاری نہیں کریں گے تو خود اور فیملی کے لیے مشکل ہو جائے گی۔ پاکستان بھی ایک گلوبل ویلج کا حصہ ہی ہے۔ یہاں کچھ تاخیر ہوتی ہے لیکن ہوتا وہی ہے جو کارپوریٹ کلچر، پرائیویٹائزیشن اور ٹیکنالوجی کنٹرول دیگر ممالک میں ہوا ہے۔

فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔ آپ کسی خدمت خلق کے بے لوث اور مراعات وسہولیات سے

---

(۱) محکمۂ تعلیم، حکومت پنجاب

دور شعبے سے منسلک ہیں یا کسی پروفیشنل فیلڈ میں ہیں۔آپ ماضی کی پریکٹس کے مطابق بس معاشرتی تربیت کا رضا کارانہ اور محدود معاوضے کا فریضہ نبھانا چاہتے ہیں یا پھر ایک پروفیشنل فیلڈ میں اپنی صلاحیتوں کے عوض سروس دینا چاہتے ہیں۔

گستاخی معاف لیکن شائد اب وہ ماضی کا طریقہ نہیں چل پائے گا کہ جس میں استاد اپنے تعلیمی ادارے میں پڑھانے کے بعد باقی وقت مطالعے اور آرام میں گزارتا۔ یہاں اب گھنٹوں اور منٹوں کے حساب سے معاوضوں کا دور چلے گا۔اگر آپ اپنی ایک جاب سے دو پہر ایک دو بجے تک فری ہو رہے ہیں تو یہ ایک پارٹ ٹائم مصروفیت ہے، ایک اور ڈھونڈنی ہوگی۔ شائد آپ اپنے کسی مغربی ملک میں رہنے والے دوست رشتہ دار سے سنتے ہوں کہ وہ لوگ وہاں دو سے تین جابز کرتے ہیں۔بس ایسا ہی کچھ سمجھ لیں۔

شائد سننے میں اچھا نہ لگے لیکن اب وہ تقدیس، احترام اور عزت والا اور خود ساختہ وقار کے بھرم والا ماحول بھی نہ رہے۔خود کے لیے سوچنا ہوگا کہ دوسری یا تیسری آمدن کہاں سے آئے گی۔جتنی دیر کریں گے اتنا اپنا نقصان۔اسی طرح تعلیمی ادارے، سرکاری ہوں یا پرائیویٹ، بلکہ جو سرکاری بھی ہیں بہت جلد پرائیویٹ یا پرائیویٹ ماڈل پر ضرور چلے جائیں گے۔آپ کو اس ماحول میں ایک پروفیشنل بننا ہوگا۔محکمہ تعلیم کو بھی چاہیے کہ سکولز کالجز یونیورسٹیز کو با اختیار بنائیں۔ان کو مرکزی کنٹرول سے نکال کر فرنچائز سسٹم پر لے جائیں۔ سربراہ ادارہ اپنی آمدن بڑھانے کا ذمہ دار ہو اور وہ سٹاف کے ساتھ مل کر پراجیکٹ بنائے۔ ہمارے ہاں ریلوے اور پوسٹ آفس سمیت کئی ادارے اب اسی پروفیشنل ماڈل پر چل رہے ہیں۔کئی سکولز کالجز اپنے ہاں بڑی آمدن جنریٹ کر سکتے ہیں جس کا ڈائریکٹ فائدہ سٹاف کو ہوگا۔ایسے کورسز، شارٹ کورسز حتیٰ کہ گراؤنڈز اور ہالز کو کمرشل استعمال کر کے آمدن بڑھانے کے پراجیکٹس بنائے جا سکتے ہیں۔

جس سکول کالج میں سٹاف کے لیے اضافی آمدن کے مواقع ہوں گے وہاں پھر آپ کو آن لائن حاضری یا دیگر چیکنگ کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ اکثریت سٹاف ادارے سے جاتا ہی کسی دوسری آمدن یا مصروفیت کے لیے ہے۔اگر اپنے ہی ادارے میں اچھا انتظام ہو تو

سب یہاں ہی مصروف رہیں گے ۔ پنجاب یونیورسٹی شادی ہالز چلاتی ہے اور فلاور شاپس ۔ کمرشل مارکیٹ بنا رہی ہے ۔ بہت سے سکول و کالجز یہ سب کر سکتے ہیں ۔ اسی طرح مارکیٹ کی ضرورت کے مطابق کورسز، شارٹ کورسز وغیرہ، جن کی اجازت کے پراسس کو آسان بنایا جائے ۔ ہر جگہ نہیں جہاں ممکن ہو وہاں پر کمرشل سرگرمیاں بھی ہو سکتی ہیں خصوصاً شہر کے مصروف مقامات کے اداروں میں ۔

جن بچوں کے گھروں میں ائیر کنڈیشنر ہوتے ہیں اور سہولیات ، وہ آپ کے سرکاری سکول و کالج کے بغیر پنکھوں والے کلاس روم میں کیسے بیٹھیں؟ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسا ماڈل ہو کہ اضافی فیس کیساتھ سیلف فنانس ماڈل اپنا کر یہ سہولیات فراہم کر دی جائیں ۔ ٹیچرز کو بھی اضافی آمدن ہو اور عمارت کا استعمال بھی ۔ وزیر تعلیم روز کہتے ہیں کہ سرکاری سکول و کالجز ایکڑز میں ہیں اور پرائیویٹ مرلوں میں ۔ لیکن وہ یہ نہیں بتاتے کہ دونوں کی کلاس روم سہولیات میں کتنا فرق ہے ۔ پی ایچ ڈی ٹیچر کی کلاس میں پنکھا نہیں ہو گا یا وہ باہر کسی درخت کے نیچے کلاس لے رہا ہو گا تو کتنے بچے اس مشقت سے گزریں گے ۔ معاشرہ بدل گیا ہے ۔ لوگ خود اور بچوں کی سہولیات دیکھتے ہیں ۔ مقابلہ برابر کی سہولیات دے کر ہوتا ہے ۔ غریب و متوسط خاندانوں کے بچوں کے لیے بھی ضرور انتظام کریں ، سکالرشپس دیں ، لیکن جب تک سرکاری اداروں میں سہولیات برابر نہیں ہوں گیں تو مقابلہ کیسا؟ صرف اچھے ٹیچر ہونے سے کیا ہو گا؟

اسی طرح محکمے کو چاہیے کہ تعلیمی اداروں کو پرانے فرسودہ نظام کے تحت چلانے کی بجائے نئے تقاضوں کے مطابق چلائے ۔ فنانشل ماڈل بہتر ہو گا ، آمدن بڑھے گی تو اداروں کی حالت خود بخود بدل جائے گی ۔ سرکاری فنڈز پر انحصار کے ساتھ ساتھ مزید آمدن کے ذرائع بڑھانے کی ضرورت ہے

شعبہ تعلیم سے منسلک اساتذہ اور انتظامیہ کو جدت اور نئے تقاضوں کے مطابق چلنا ہو گا ۔ اداروں کا انتظامی اور فنانشل ماڈل بدلنا ہو گا اور یہی وقت کا تقاضا ہے ۔

تعلیم و تربیت

ڈاکٹر احمد ارشد[1]

پاکستانی جامعات میں پنپتی نئی تحقیقی روایت

انجمن ستائش باہمی یعنی من تُرا حاجی بگویم تو مرا مُلا بگو

وطن عزیز پاکستان کا شمار دنیا کے ان چند انتہائی خوش نصیب ملکوں میں ہوتا ہے جہاں ادبیات اور مذہبی و سماجی علوم وفنون میں اعلیٰ پائے کی تحقیق و تدقیق کے قدم بہ قدم سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں نت نئی ایجادات واختراعات کا کبھی نہ تھمنے والا سیلِ رواں ہر آن بر پا رہتا ہے۔اس کا سہرا بلا شک وارتیاب وطن عزیز کی جامعات کے سر بندھتا ہے۔آخر ایسا کیوں نہ ہو؟ یہ وطن عزیز کی جامعات ہی تو ہیں جہاں تحقیق وتدقیق کا فقید المثال عمل ہر آن جاری وساری رہتا ہے۔ان جامعات میں گزشتہ دو تین دہائیوں کے دوران میں ایک ایسی شاندار اور فقید المثال علمی و تحقیقی روایت پروان چڑھی ہے کہ برطانیہ کی اوکسفورڈ و کیمبرج اور امریکہ کی ایوی لیگ میں شامل نامی گرامی یونیورسٹیاں بھی اس کا نمونہ اور مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ہم وطن عزیز کی جامعات میں جاری وساری اس شاندار ''نئی علمی و تحقیقی روایت'' کے عینی شاہد ہیں کیونکہ یہ برق رفتاری سے ہماری آنکھوں کے سامنے پروان چڑھی ہے۔ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ترقی کی بہت سی منزلیں طے کی ہیں اور اس کے فوائد وثمرات سے ملک وقوم مستفید ہونے لگے ہیں۔

وطن عزیز کی جامعات میں جاری وساری بلکہ ان کے رگ و ریشہ میں سمائی ہوئی اس شاندار اور قابل فخر ''نئی علمی و تحقیقی روایت'' کا دائرہ یوں تو تمام سماجی وسائنسی علوم وفنون تک محیط ہے، البتہ مذہبی علوم اور اردو ادبیات کے میدانوں میں تو اس کی شان ہی نرالی ہے۔

اردو ادبیات میں تحقیق و تدقیق کے ایسے نت نئے ، انوکھے اور نرالے موضوعات منظر عام پر آ رہے ہیں کہ دنیا بھر کے حکما و عقلا بھی انگشت بدنداں ہیں۔بطور مثال پاکستانی جامعات کے شعبۂ ہائے اردو میں براجمان اساتذہ و محققین کی بھاری اکثریت کا محبوب و مرغوب ترین موضوعِ تحقیق باہم دگر (ایک دوسرے کی شخصیت اور شاندار علمی وادبی خدمات) پر اپنے محکوم ومظلوم طلبہ و طالبات سے ایم فِل اور ڈاکٹریٹ کے مقالات لکھوانا، بلکہ صحیح تر

[1] سابق صدر دائرہ معارف اسلامی و پروفیسر علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی

معنوں میں ایسے موضوعاتِ تحقیق طالبانِ ایم فِل وڈاکٹریٹ کے سر منڈھنا ہے۔اس کو زیادہ وضاحت وصراحت سے ایک مثال سے یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ ہائر ایجوکیشن کمیشن کی موجودہ پالیسی کی رو سے کسی بھی یونیورسٹی میں مقرر ہونے والا ایک نومولود اسسٹنٹ پروفیسر اپنے کیرئیر کے پہلے ہی روز تحقیق وتدقیق کے عمل کی نگرانی (سپرویژن) کی مسند پر بھی براجمان ہوجاتا ہے۔ یہ ستم گر اپنے کیرئیر کے پہلے ہی سال اپنے ایم فِل کے کم ازکم چار پانچ اورڈاکٹریٹ کے دوتین طالبان کوملک کے اطراف واکناف میں پھیلے ہوئے اپنے کچھ ''محسن اساتذہ''اوراپنے''قدیم ہم مشرب رفقاواصدقا''یاپھراپنے ہم مکتب بہن بھائیوں، جو بدقسمتی سے کسی نہ کسی یونیورسٹی میں تحقیق وتدقیق کا جنازہ نکالنے میں مصروف ومشغول ہوتے ہیں) کی لافانی ''علمی وادبی، تخلیقی اورابداعی واختراعی'' خدمات اوران کے''فقیدالمثال نثری وشعری کمالات'' اور ان کی ''شاہکارتخلیقات'' کی تحلیل وتعریف کی غرض سے اپنے تلامذہ سے مقالات لکھوانے کاعظیم الشان قومی وملی فریضہ اپنے سر لے لیتا ہے۔ بدلے کے طور پر (کیونکہ ''نیکی اوراحسان کا بدلہ نیکی اوراحسان ہی سے دیا جانا انسب واصحّ ہے) سیالکوٹ، گجرات،ننکانہ،اوکاڑہ،فیصل آباد،سرگودھا،بھکراورڈیرہ غازی خان کی یونیورسٹیوں پرعذاب الٰہی کی طرح مسلط پروفیسر صاحبان میں سے کوئی نہ کوئی اپنے اس قدیم کرم فرما کی خدمات کی تحلیل وتعریف کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے اوراس کی شخصیت اورفکروفن پر دھڑا دھڑ مقالے لکھوانے میں ہمہ تن مصروف ومشغول ہوجاتا ہے۔یوں یہ پروفیسر صاحبان (باہم دگر) ملک کے اطراف واکناف میں پھیلے ہوئے اپنے احباب،رفقا واصدقا اورکرم فرماؤں کی ''علمی وادبی خدمات'' پرمقالات لکھوانے کی ٹھان لیتے ہیں۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس ''علمی وادبی وبا'' نے پورے ملک کی جامعات کے ادبیات کے شعبوں کواپنی لپیٹ میں لے لیاہے۔ پروفیسروں کی ایک ملک گیر''انجمن ستائش باہمی'' وجود میں آگئی ہے۔ ملک کی نامی گرامی یونیورسٹیوں میں(جن کی قدامت اوررقبے کی وسعت نے ان کو بہرحال ایک امتیازی حیثیت دے رکھی ہے) یہ عمل کچھ زیادہ ہی شدّ ومدّ سے جاری وساری ہے کیونکہ وہاں پر''بزرگ اساتذہ'' کی بہتات ہے۔ تحقیق وتدقیق کا یہ مبارک سلسلہ بے پناہ عمق و وسعت اختیار کر گیاہے۔ بلکہ یوں کہیے کہ ان مشاہیر اور بزرگ محقق اساتذہ کے طفیل تحقیق وتدقیق کی گاڑی ایف ۳۵ سٹیلتھ جیٹ فائٹر سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے رواں دواں ہے۔

''علمی وادبی تحقیق'' کی اس گرم بازاری کے نتیجے میں جن خوش بخت پروفیسروں کی شخصیت اورفکروفن پرنہایت درجہ عالمانہ ومحققانہ مقالات معرض وجود میں آئے ہیں، ان میں مقالہ نگاروں نے اپنے ممدوحین کو''بطورِمفکرِ بے بصیرت''،''بطورِدانش ور''،''بطورموقع شناس''،''بطورِجوہر ناشناس''،''بطورِرمزناشناس''،''بطورعاقبت نااندیش''،''بطورکوتاہ نظروکوتاہ اندیش''،اور''بطورِموقع پرست''یا''بطورابن الوقت''کےطور پرپیش کرکے گویاتحقیق کاحق بحسن وخوبی ادا کیاہے۔ان نادرِ روزگار مقالہ نگاروں نے بڑی ہی مہارت اور چابک دستی سے اپنے محسن وممدوح پروفیسروں (بالخصوص وہ جوخوش قسمتی سے ڈراما نگار، افسانہ نگار یا ناول نگار واقع ہوئے ہیں) کے قلمی سرمائے میں پوشیدہ''عشقیہ عناصر''اور''سفلی جذبات'' کا کھوج لگانے کی بھی سعی مشکور کی ہے۔

اس نئ علمی وتحقیقی روایت سے اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ اس ملک میں اردو ادبیات سے شغف رکھنے والے''مفکروں''،''دانشوروں''،''موقع شناسوں''،''کوتاہ نظروں''،''کوتاہ اندیشوں یاعاقبت نااندیشوں''،''موقع پرستوں''اور''ابن الوقتوں'' کی ریل پیل ہوگئی ہے۔ یہ امر یقیناً ملک میں علمی وادبی خوشحالی وترقی کے لیے نیک شگون کا درجہ رکھتا ہے۔

فی الوقت ملکی جامعات میں علمی وادبی تحقیق وتدقیق کی گرم بازاری کے جونتائج سامنے آئے ہیں وہ حددرجہ چشم کشاہیں۔علمی وتحقیقی مقالات کا موضوع بننے والے ہمارے ہردلعزیز اور مایۂ ناز''پروفیسروں'' کے علمی وادبی کمالات کے سامنے اردو کے عناصرخمسہ (سرسید احمد خان، محمد حسین آزاد، ڈپٹی مولوی نذیر احمد، الطاف حسین حالی، اور علامہ شبلی نعمانی) کے کارنامے بھی ہیچ معلوم ہوتے ہیں۔ اساطینِ ادبیاتِ اردو میں سے حافظ محمود شیرانی، مولوی عبدالحق، مولوی محمد شفیع، عبدالستار صدیقی، رشید احمد صدیقی، قاضی عبدالودود، محی الدین زور قادری، یوسف حسین خان، مسعود حسین خان، ابواللیث صدیقی، سید عبداللہ اور عبادت بریلوی آج زندہ ہوتے تو ہمارے ان ہردلعزیز پروفیسروں کے علمی وادبی کارناموں کی چکاچوند سے ان کی آنکھیں خیرہ ہوجاتیں، وہ ان کے حضوردل وجان سے عاجزانہ نیازمندی کا اظہار کرنے پر مجبور ہوجاتے، ان کے حضورخراجِ تحسین پیش کرنے کی غرض سے''علمی ارمغان'' مرتب کرتے ان پروفیسروں کے علمی وادبی کارناموں کی تحلیل وتعریف کے طور پر علامہ شبلیؒ کے ''سلسلۂ ناموران اسلام'' کی طرح''سلسلۂ نامورانِ ادبیاتِ اردو'' کی تصنیف وتالیف میں ہمہ

تن منہمک ہوجاتے، مولوی عبدالحق ان کا ذکرجمیل کئی جلدوں پر مشتمل ''چند ہم عصر'' میں کرتے، رشیداحمد صدیقی توضرور بالضرور''گنج ہائے گرانمایہ'' کی مزید پانچ سات جلدیں شائع کرتے۔

پاکستان میں برپا تحقیق کی اس نئی شاندار روایت کا ایک نہایت مفیداور دوررس نتیجہ تو یہ نکلا ہے کہ ہر بزرگ استاذ (ہماری نظر میں ہر وہ شخص بزرگ استاذ کہلانے کا اہل اور مستحق ہے جس نے کسی بھی یونیورسٹی میں اپنی زندگی کے دس پندرہ سال جیسے تیسے گزار لیے ہوں) کے اپنے کیریئر کے نصف النہار تک پہنچتے پہنچتے، اس کی حیات وخدمات اور علمی و ادبی آثار کے گوناں گوں اور حیرت انگیز پہلوؤں پر کم از کم دو چار درجن تحقیقی مقالات معرضِ وجود میں آجاتے ہیں۔ مزید برآں ان کے دو چار نہایت درجہ وفادار اور نیازمند و عقیدت کیش شاگردان کی لافانی و لاہوتی شخصیت اور گراں مایہ علمی و ادبی خدمات پر چند کتابیں بھی لکھ ڈالتے ہیں۔ چندسال ہوئے ایسے ہی ایک بزرگ استاذ کی زیارت کے لیے اس کے دولت کدے پر حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ آنجناب کے ڈرائنگ روم میں درجن بھر ایم اے، ایم فل اور ڈاکٹریٹ کے ایسے مقالات اور متعدد مطبوعہ کتابیں دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی، جن میں انھی کی ذات شریف کو تختۂ مشق بنایا گیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اب بزرگ اساتذہ کو اپنے مایہ نازعظیم الشان علمی و ادبی، تحقیقی و تدقیقی اور تاریخی وکلامی کارناموں کے اعتراف و تجلیل کے لیے اس جہانِ فانی سے کوچ کرنے بالفاظ دیگر''رحلت فرمانے'' کے انتظار کی زحمت نہیں کرنی پڑتی بلکہ وہ اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کرنے سے پہلے پہلے آنے والی نسلوں کو اپنے کارنامہ ہائے حیات سے آگاہی کا سامان کر جاتے ہیں۔ یوں یہ بزرگ اساتذہ جب اس جہان فانی سے رخصت ہوتے ہیں تو اس مژدۂ الٰہی کے سزاوار ٹھہرتے ہیں:

﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿27﴾ ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿28﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿29﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿30﴾﴾ [الفجر ۸۹:۲۷ تا ۳۰]

ملک وملت کے ان محسن پروفیسروں میں کچھ عجلت پسند من چلے ایسے بھی ہیں جو دوسروں کے مقابلے میں اپنا قد کاٹھ اونچا رکھنے کے لیے خود اپنی ہی ذات شریف اور اپنے شاندار علمی و ادبی، علمی وفکری اور تاریخی وکلامی کارناموں پر طالبانِ ایم فل و ڈاکٹریٹ سے تحقیقی جرائد و مجلّات میں اشاعت کے لیے مقالات لکھوانے کی راہ پر بڑے عزم و استقامت سے چل

پڑے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ بقلم خود اپنے کارنامہ ہائے حیات کی تجلیل وتعریف کے طور پر کتابوں کی تصنیف وتالیف پر کمر بستہ ہیں۔بعض بے صبرے اور تھڑ دلے ایسے بھی ہیں جو اپنے اعزاز میں ''علمی ارمغانوں'' کی تدوین وترتیب میں دن رات ایک کیے ہوئے ہیں۔اس غرض سے اندرون ملک اور بیرون ملک کی ''نامور علمی شخصیات'' سے اپنی ذات گرامی کے بارے میں مقالات لکھوانے کے لیے ہر ممکن جتن اختیار کیے ہوئے ہیں۔ان کا ہدف یہ ہے کہ اس جہانِ فانی سے کوچ کرنے سے پہلے پہلے اپنی ذات شریف کے بارے میں کم از کم دو چار ''علمی ارمغانوں'' کی طباعت واشاعت کا اہتمام کر جائیں تا کہ مستقبل میں اگر قسمت کے کسی دھنی کو ملکی وقومی ضرورت سے ان کی ذات شریف کے بارے میں حقیقی مقالے اور کتابیں لکھنی پڑ جائیں تو انھیں آسانی سے ضروری لوازمہ میسر آجائے۔

ان معروضات سے قارئین کرام بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وطن عزیز میں ''گزشتہ دو دہائیوں سے جاری ''نئی علمی وتحقیقی روایت'' کے کتنے زبردست اور شاندار نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔حکومت پاکستان خصوصاً ہائر ایجوکیشن کمیشن اس تحقیقی اپچ اور اختراع وایجاد کے امریکی و یورپی ممالک کی جامعات کو ''برآمد'' کا کوئی سامان کر لے تو نہ صرف یہ عالم انسانیت کی بڑی خدمت ہوگی بلکہ حکومت کو اربوں ڈالر کی آمدن بھی ہوگی۔

بعض کوتاہ نظر اور عاقبت نااندیش قارئین اردو ادبیات کے میدان میں جاری وساری اس نئی علمی وتحقیقی روایت کے محافظ وپاسبان پروفیسروں کی باہم دگر تجلیل وتعظیم (من تُرا حاجی بگویم تو مُرا ملا بگو: ''اے دوست! میں تجھ پر مقالے لکھوں لکھاؤں [لکھواؤں] تُو مجھ پر مقالے لکھ لکھوا) کی روش کو سرتاسر ''نرگسیت'' (واضح رہے کہ نرگسیت ایک نفسیاتی عارضہ ہے، اپنی ذات سے حد درجہ محبت اور خود ستائشی کا جذبہ نرگسیت کی ایک شکل کہلاتی ہے۔اسی کا دوسرا نام خود پرستی بھی ہے) سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ہم اس طرح کے دقیانوسی نقطۂ نظر سے ہرگز اتفاق نہیں کر سکتے البتہ یہ ضرور خیال کرتے ہیں کہ ہمارے ان عظیم المرتبت پروفیسروں کی ''علمی و تحقیقی، تخلیقی و ابداعی کارناموں'' کی تجلیل و اعتراف کا حق ابھی ادا نہیں ہوا ہے۔اس کے لیے ابھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔(بقیہ صفحہ نمبر: ۴۴)

میڈیا

گفتگو: ڈاکٹر فصیح احمد
ضبط تحریر و تبصرہ: محمد عمران مسجدی

میڈیا کے ہوشربا اثراتِ بد
امیج کلچر کی مابعد الطبیعیات

روایتی علم و تعلیم میں استاد یا معلم، شخصیت اور سند (اسناد) کو مرکزیت حاصل ہے، ماڈرن ایجوکیشن سسٹم کی طرح ادارہ یا institution کو نہیں، علم "لفظ مرکز" ہے لہذا دعوت دین میں علم کسی خاکے (image) کی شکل میں نہیں ہوتا بلکہ کسی "متقی پرہیزگار شخص کے عمل" کی شکل میں مجسم یا ظاہر ہوتا ہے۔ جدیدیت کا تصورِ علم شے مرکز (object centric) ہے، جدیدیت کا ہدف انسانی انفس میں حافظے کو اور خارج (یا آفاق میں) میں روایت کو نشانہ بنانا ہے۔ جدید ایجوکیشن سسٹم میں تصویر و خاکے یا امیج کی بہت اہمیت ہے۔ غیب کا کوئی تصور کام نہیں کرتا، جب کہ امیج فرد کو حال میں محصور رکھ کر اس سے بالاتر نہیں ہونے دیتا، ذہن کو colonize یا قابو کر لیتا ہے، ٹیلی وائز رئیلٹی حقیقت کو ایک خاص اظہار یا representation میں تبدیل کرنے کا نام ہے۔ انسان image directed یا تحریر کی بجائے تصویر کے ذریعہ سیکھنے والا ہوتا چلا جاتا ہے۔ ٹیلی ویژنی اقدار (television values) فرد پر غالب آجاتی ہیں اور وہ دینی تعلیمات کی بالادستی کی بجائے ان اقدار کے ماتحت ہوتا چلا جاتا ہے، جدید ٹیکنالوجی "ٹول" نہیں بلکہ "سسٹم" ہے، جدید ٹیکنالوجی جب نظام یا سسٹم کی شکل میں آتی ہے تو روایتی اقدار کو ماڈرن ویلیوز سے بدلتی چلی جاتی ہے۔ معاشرہ ٹیکنالوجی کی اقدار کو اپنی ثقافتی اقدار میں ضم کرنا اور بدلنا شروع کر دیتا ہے۔

ماڈرن ٹیکنالوجی کا راست تعلق سرمایہ دارانہ نظام سے ہے جو دو اقدار پر کھڑا ہے:

* پیداواریت (Productivity)
* قابلیت (Efficiency)

لوگ ایک دوسرے کو اس تناظر اور پیمانے میں دیکھنے جانچنے لگتے ہیں کہ انسانوں میں

کون productive اور efficient ہے۔ اسلامی تہذیب وتاریخ کی علمیت یا تصورِ علم ''لفظ وذات'' مرکز ہے اور ''لفظ'' کی اہمیت اس لیے ہوتی ہے جب وہ کسی ''ذات'' سے جڑا ہوا اور وہ ذات روحانی، اخلاقی اور معاشرتی وجود ہوتا ہے، لہٰذا دعوت دین میں علم کسی image یا خاکے کی شکل میں نہیں ہوتا بلکہ کسی ''متقی پرہیز گار شخص کے عمل'' کی شکل میں مجسم یا ظاہر ہوتا ہے۔ اسلام میں علم، عمل، اخلاص اور دعوت میں بیک وقت خاص تعلق استوار ہے۔ اسلامی تاریخ میں علم برائے علم نہیں ہوتا، امام غزالیؒ اس سے منع فرماتے ہیں۔ جدیدیت کا تصورِ علم شے مرکز ojbect or thing centric ہے، لفظ مرکز نہیں ہے۔ یعنی انسانی ذہن سے باہر اشیاء سے اس کا تعلق ونسبت استوار کرنا گویا انسان شے یا اشیاء مرکز بنا دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس صورت میں جو انسان متشکل یا ظاہر ہوتا ہے وہ مادہ پرست (materialistic) ہوتا ہے لہٰذا جدیدیت سے مرتب (developed) نظام تعلیم impersonal یعنی ذات سے غیر متعلق یا کم سے کم متعلق ہوتا ہے۔ جدید تعلیمی ادارے یعنی اسکولز، یونیورسٹیز غیر شخصی ہیں، یعنی انسٹی ٹیوٹ کو مرکزیت حاصل ہے، اس کی ڈگری کی اہمیت ہے، کسی شخص یا ذات کی سند کو نہیں گویا ان میں انفرااسٹرکچر نالج حاصل ہوتی ہے، شے مرکز ہونے کی وجہ سے اس میں اس حافظہ کی نفی کی جاتی ہے جو فرد کو اس کی تاریخ وروایت سے جوڑے رکھتا ہے کیونکہ ''لفظ'' ''عمل'' کی شکل میں مجسم ہوتا ہے اور عمل ایک تاریخ ہوتی ہے۔

جدیدیت کا (ایک) ہدف انسانی انفس میں حافظے کو اور خارج (یا آفاق میں) میں روایت کو نشانہ بنانا ہے۔ امام غزالیؒ کی کتاب احیاء العلوم (جو بہت اہم کتاب ہے) میں آفاق وانفس کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ ان کی گفتگو کا مرکز انسانی نفس ہے آفاق نہیں۔ ٹیکنالوجی پر مبنی معاشرہ کسی visual culture یا مظاہراتی بصارتی ثقافت کے بغیر پروان نہیں چڑھ سکتا۔ صنعتی انقلاب کے بعد انفارمیشن سماج کی بنیاد رکھی گئی تو یہ ضروری ٹھہرا کہ فرد سب کچھ جانتا well informed اور دیکھتا well seeing ہو گویا بیسویں صدی سے یہ کلچر شروع ہوا جو culture of visualization ہے لہٰذا جتنی بھی ترسیلاتی وابلاغی یا کمیونیکیشن ٹیکنالوجیز پھلی پھولیں یا ڈویلپ ہوئیں وہ ویژول ٹکنالوجیز تھیں۔

ایجوکیشن سسٹم میں تصویر و خاکے یا امیج (image) کی بہت اہمیت ہے۔ یہاں غیب کا کوئی تصور کام نہیں کرتا۔ ٹیلی ویژن کا امیج ایک ٹیلی وائز رئیلٹی (televise reality) ہے اور یہ کہ امیج، ویلیو نیوٹرل نہیں ہوتا۔ اسی طرح وہ reality یا حقیقت کے بجائے representation یا اظہار یا بیان ہوتا ہے، یعنی ٹیلی وائز رئیلٹی حقیقت کو ایک خاص اظہار representation میں تبدیل کرنے کا نام ہے۔ جب اس اظہار یا ری پریزنٹیشن کا بار بار اعادہ یا repetition ہوتا ہے تو یہی حقیقت بن جاتی ہے۔ ٹیلی وائزڈ امیج اپنی اصل میں، اپنی مابعد الطبیعیات میں جذباتی emotional اور جبلتی instinctual ہوتا ہے۔ امیج کی اصل، اس کا اچھا اور پرکشش لگنا ہوتا ہے گویا یہ ٹیلی وائزڈ رئیلٹی اپنی اساس میں ایک جمالیاتی اظہار (aesthetic reality) ہوتا ہے اور اس جمالیاتی رئیلٹی کی بنیادیں pain اور pleasure میں ہوتی ہیں، یعنی درد و تکلیف اور لذت و نشاط میں لہذا پسند و ناپسند کا معیار اچھائی یا برائی پر منحصر نہیں ہوتا بلکہ interesting اور boring یعنی دلچسپ اور بیزار کن پر ہوتا ہے، امیج فرد پر instant gratification یا فوری تسکین کی صورت میں اثر انداز ہوتا ہے، وہ فرد کو حال میں محصور رکھتا ہے اور اسے حال سے بالاتر نہیں ہونے دیتا، امیج ذہن کو قابو کر لیتا ہے، اس کے تجربات پر قبضہ جما لیتا ہے، لوگوں کے اپنی تاریخ کے واقعات کو جلد بھول جانے کی ایک وجہ یہی ہے کہ لوگ اس امیج پر چل رہے ہوتے ہیں جو پیش کیا جا رہا ہوتا ہے۔ حافظہ سے پچھلا واقعہ یا تصور محو ہو جاتا ہے۔ امیج حافظہ پر حملہ آور ہوتا ہے۔ انسان image directed یا تحریر کی بجائے صرف تصویر کے ذریعہ سیکھنے والا ہوتا چلا جاتا ہے۔

فرد کی کسی جگہ بذاتہ (فی الوجود) موجودگی دراصل اس کی existence ہے جبکہ کسی ٹیلی ویژن پروگرام کے ذریعہ اس کا نظر آنا appearance یا حاضری ہے، گویا ٹیلی وائزڈ رئیلٹی یا ٹی وی کے ذریعہ موجودگی aesthetical existence یا جمالیاتی موجودگی کہی جا سکتی ہے، جب ایک جمالیاتی وجود کے ساتھ دینی تعلیمات پیش کی جاتی ہیں تو ہر چیز اسی تناظر میں دیکھی جا رہی ہوتی ہے، اس جمالیاتی تناظر کے لوازمات میں اسٹائل، گلیمر، فیچرز وغیرہ شامل ہوتے ہیں گویا ٹیلی ویژنی اقدار (television values) فرد پر غالب ہو جاتی ہیں اور وہ دینی تعلیمات کی بالادستی کی بجائے ان اقدار کے ماتحت ہوتا چلا جاتا ہے۔ امام غزالی گفتگو میں تصنع

سے منع فرماتے ہیں، اس کے برعکس ٹیلی وائز رئیلٹی میں تصنع کا نہ ہونا ممکن ہی نہیں۔ ایک پوری علمیت تصنع پر کھڑی ہے لہٰذا میڈیا پر لوگ چیزوں کو دلچسپ بنا کر پیش کرتے ہیں ۱۹۷۸ء میں امریکی تشہیر ساز (advretiser) تھا Jerry Mander اس نے کتاب لکھی تھی Four Arguments for the Elimination of Television اس نے بتایا کہ ٹیلیوائز رئیلٹی کے اپنے تعصّبات ہوتے ہیں جو انسانی شخصیت پر اثر انداز ہوتے اور اس سے ظاہر ہوتے ہیں۔ مستشرقین نے بھی یہ بات تسلیم کی ہے کہ اسلامی علوم جیسا مربوط وسیع دفتر کسی اور مذہب کے ہاں نہیں۔ اسلام وہ واحد مذہب ہے جن کے ہاں تصویریں بنوانا حرام ہے، ڈرامہ کا وجود نہیں، ان کے ہاں تبلیغ قول وفعل کے ذریعہ ہوئی، یہی وجہ ہے کہ مستشرقین کے مطابق مسلمانوں کی علمیت سب سے زیادہ محفوظ و مامون ہے۔

دورِ حاضر کے مسلمانوں نے مذہب کو بہت visualize کر دیا ہے، عیسائیت کے زوال کی سوشل سائنسز میں کئی تھیوریز میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے ہاں تصویر سازی بہت عام ہوگئی تھی، چودہویں صدی تک عیسائیت میں تصاویر کا وجود بہت عام نہ تھا، مسیحی مشنریز نے بائبل کے الفاظ کو سمجھانا جب مشکل پایا تو انہوں نے پینٹنگز اور منظر کشی کے ذریعہ سے عیسائی تعلیمات وشخصیات اور آخرت کو سمجھانا شروع کیا کیونکہ image فوری توجہ کھینچتا تھا اور فہم کی زیادہ ضرورت نہیں ہوتی تھی، ڈرامہ بھی داخل ہوا تاکہ دین سمجھایا جاسکے، اہم بات یہ کہ ان کے مخاطبین بھی عام مسیحی ہی تھے سیکولر یا لادین نہیں تھے، اس سے لوگوں کا رجحان یہ ہوگیا کہ وہ صرف اسے حقیقت تسلیم کرنے لگے جو" نظر آنے والی ہو" ذہن یہ بن گیا کہ" پڑھنا" یا مطالعہ کرنا مشکل ہوگیا اور" امیج مرکز" بنتا چلا گیا، لوگ ورڈ آف گاڈ (بائبل) سے دور ہوتے چلے گئے، ان میں reality of things کی بحثوں پر زور دیا جانے لگا اور بتدریج تصویر سازوں (painters) کی اہمیت بڑھنا شروع ہوگئی، پینٹرز کی کلاس مقدس ہوتی گئی۔ نشأۃ ثانیہ (Renaissance) دورِ تنویر (Age of Enlightenment) سے مختلف ہے، عیسائیت کے زوال کی وجہ نشأۃ ثانیہ ہے۔ دورِ تنویر بعد کی پیداوار ہے، نشاۃِ ثانیہ artistic expression کا نام ہے اور پھر لوگوں کا تعلق دوسو سال کے اندر اندر بائبل سے ٹوٹ گیا، یہ visual image کی نہیں بلکہ paintings کی بات ہو رہی ہے جو کبھی کبھار اور کہیں کہیں

ہی ہوتی اور نظر آتی تھیں، گویا یورپ میں عیسائیت کے زوال اور سیکولرائزیشن کا ایک تھیسس یہ بھی تھا جو عیسائیت کے تصویر مرکز ہونے کا شاخسانہ تھا۔

تبصرہ

"اس کے برعکس دورِ حاضر میں تو ہر طرف ویژول امیج کی گویا ہر فرد پر اور سماج پر یلغار ہے، حد سے زیادہ اشتہار بازی کی وجہ سے بصارتی آلودگی visual pollution کی اصطلاح وجود میں آچکی ہے"

امیج براہِ راست نتیجہ کی جانب لے جاتا ہے، اس میں فہم کا استعمال اور شعوری کوشش کم ہوتی جاتی ہے، ٹیلی وائز رئیلٹی سے جو معاشرہ قائم ہوتا ہے وہ مکمل spectacular society ہوتا ہے یعنی تماش بین یا نظارہ والا معاشرہ۔ گائے ڈیبورڈ guy debord کی کتاب ۱۹۶۷ء میں طبع ہوئی The society of Spectacles اس نے وضاحت کی کہ تصویر جمالیاتی وجو aesthetic existance رکھتی ہے لہٰذا سرمایہ دارانہ نظام میں یہ سب سے بڑی commodity یا تجارتی جنس ہے، بچوں کو ریگولر کارٹونز کے بجائے اسلامی کارٹونز دکھانا کوئی درست طرزِ عمل نہیں ہے، بچوں سے بات چیت کر کے اس میں لفظ کی اہمیت کا احساس اجاگر کرنا چاہیے۔ بچوں کو image oriented ہونے سے بچانے کی ضرورت ہے اگر وہ دین، کارٹونز وغیرہ سے سیکھ رہا ہے تو وہ ہر مذہب کی ہر بات کے لئے تصویر کا مطالبہ کرے گا اور اس کو دین (مذہبی شعائر) سمجھنا سمجھانا مشکل تر ہوتا چلا جائے گا۔ واٹس ایپ پر بیک گراؤنڈ میں چلنے والے امیج کی وجہ سے بات سمجھنا مشکل ہوجاتا ہے، ایک عالمِ دین یا اس کے بھائی کے انتقال پر بھی غمگین تصویر لگانا ضروری سمجھا جاتا ہے اور رِقت آمیز دعا پر روتی تصویر لازمی ٹھہری ہے، اس بلا وجہ کی تصویر یا ویڈیو یعنی visualization کے بہت نقصانات ہیں۔ ہر چیز میں تصویر کی موجودگی اسلامی علمیت کے لئے بڑا امتحان ہے، اس "کلچر آف ویژویلائزیشن" سے چھٹکارا پانے کی ضرورت ہے، اسلامی علمی روایت کا تحفظ اس پر کھڑا ہے کہ تصویر کو بلا وجہ استعمال نہ کیا جائے۔ جس وقت بچے کے cognitive skills اور مائنڈ سیٹ نشونما پا رہا ہوتا ہے اس وقت اگر بچہ کئی گھنٹہ کارٹون وغیرہ کے ذریعہ دین (مذہبی

تعلیمات) سیکھے گا تو ایسا بچہ کل کو دین کی اصل تعلیمات کیسے سمجھے گا؟

ایران، ملائشیا اور ترکی وغیرہ میں ویژیول لرننگ visual learning عام ہو چکی ہے۔ ہر بندہ "اسلامی فلم" اور "اسلامی کارٹون" بنانے کے درپے ہے، کارٹون اسلام پر نہیں کارٹون پر اسلام پرکھا جائے گا۔ اسی طرح فلم فلم کے معیار پر جانچی پرکھی جائے گی، ایک ایسی اسلامی فلم جس میں پیغام تو اعلیٰ اور اسلامی ہو مگر اداکاری گھٹیا ہو اور اچھا کیمرہ ورک نہ ہو تو اسے اچھی اسلامی فلم نہیں بلکہ گھٹیا اور بے کار فلم قرار دیا جائے گا کیونکہ فلم کو فلم ہی کی کسوٹی یا معیار پر پرکھا جائے گا، لوگ نعتیں کم اور گانے زیادہ سنتے ہیں لہذا نعتیں بھی گانوں کی طرح بنائیں لیکن لوگ نعتیں اس لئے بھی کم سنیں گے کہ اگر نعتیں بھی گانوں کی طرح ہیں اور ان کو بھی گانوں کی طرز پر پیش کیا جائے اور ان کو بھی پرکھنے کا معیار گانا ہے تو پھر گانا ہی کیوں نہ سنوں؟

"نعتوں اور گانوں کے ضمن میں عام آدمی کے نزدیک موازنہ کا سوال یہ نہیں ہوتا کہ چونکہ دونوں ہی میڈیا کے ذریعہ سامع وشائق تک پہنچ رہے ہیں تو ان دونوں کا "میڈیائی تقابل" کیا جائے، وہ میڈیا کے فلسفیانہ و مابعد الطبیعیاتی منفی اثرات کے بارے میں باشعور نہیں، وہ جبلی ونفسانی اور مروجہ ومقبول سماجی اقدار کی سطح پر جیتا اور تصورات واشیاء کو قبول ورد کرتا ہے بلکہ عمومی ومروجہ طرز عمل اور اس قسم کی نعتوں پر یہی ردعمل دیکھنے سننے میں آتا ہے کہ گانے کی طرز پر نعتیں پڑھنا درست نہیں مگر چونکہ یہ نعت گو حضرات جبہ ودستار اور مخصوص مکتب فکر و سلسلوں میں بیعت کی پشت پناہی سے میڈیا وا سٹیج اور پروگراموں میں نمودار ہوتے ہیں تو عام پیروکار و مقلد یہی سوچتا ہے کہ" کیا ان مولویوں کو معلوم نہیں کہ کیا جائز اور کیا ناجائز ہے؟" وہ نعتوں کو گانوں پر نہیں پرکھتا بلکہ ایک مذہبی طائفہ کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس طرح کی مغنیہ نعتوں کو قبولیت عامہ حاصل نہیں بلکہ مخصوص طبقہ ہی اسے مخصوص اوقات و مواقع پر استعمال کرتا ہے"

اسی طرح فلم ایک ٹکنیکل چیز ہے، اگر مغرب اسلام کے خلاف سو فلمیں بنا ڈالے تو دنیا یہی کہے گی کہ پروپیگنڈہ ہے۔ اگر وہ تاریخی فلم بناتا ہے تو مسلمان کہہ سکتے ہیں کہ یہ پروپیگنڈہ ہے اور وہ مغرب میں تسلیم کیا جائے گا کیونکہ مغرب نے مخالف کی نیت واحوال کو فلم کے ذریعہ

پیش کیا ہے، اگر کوئی اگلی فلم آ گئی اور وہ مسلمان کی فلم سے زیادہ مقبول ہوگئی تو وہ پروپیگنڈہ نہیں رہے گی بلکہ حقیقت بن جائے گی۔

"میڈیا اور فلم کی گنوائی گئی اندرونی و اصلی یا ذاتی intrinsic خامیوں سے اتفاق ہے مگر مغرب کے مسلم مخالف میڈیائی پروپیگنڈہ وارفیئر کے جواب میں مسلمانوں کی خاموشی و پسپائی کو قبول نہیں کیا جاسکتا کیونکہ:

* یہاں انسانی وسماجی نفسیات اور تاریخی حقائق کو نظر انداز کیا گیا ہے، سماج پروپیگنڈہ سے متاثر ہوتا ہے چاہے وہ اس کی تکنیکی وجوہات کو جانتا بھی ہو (اور یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ مسلمان ان سے ناواقف بھی ہیں الا ماشاء اللہ) سماج کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہونے کی ایک وجہ اس کا مختلف تعصّبات و شخصی وگروہی میلانات رکھنا ہے اور تاریخی طور پر بھی کلیساء اور مستشرقین کے اسلام و بانی اسلام مخالف پروپیگنڈا نے مغرب میں مسلمانوں کے خلاف غلط فہمیاں اور شدت پسندانہ رویہ پیدا کیا اور اب مغرب میں اسلاموفوبیا کی جو لہر لائی گئی ہے اس کی وجہ سے تارکینِ وطن (immigrants) مسلمانوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

* نیز مغرب کے طاقتور استعماری حکمرانوں کو اس منفی و باطل پروپیگنڈہ کی وجہ سے کمزور و ناتواں مسلمان ممالک وعوام کے خلاف ہر قسم کی ظالمانہ وغیر انسانی کاروائیوں، ہتھکنڈوں، سازشوں، حملوں اور دباؤ و پابندیوں کا اخلاقی وقانونی جواز ہاتھ آیا ہوا ہے، مشرق وسطیٰ سمیت دنیا کے کئی خطوں میں مسلمان اس پروپیگنڈہ کے مہلک نتائج بھگتنے پر مجبور ہیں، چاہے وہ فلسطینی ہوں یا کشمیری یا چینی اویغور و برمی روہنگیائی۔

* مسلمانوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ دنیا میڈیائی جنگ یعنی 4th Generation Warfare کے زمانے سے گزر رہی ہے جہاں مغربی استعمار کے علاوہ طاقتور ہمسایہ ممالک کمزور یا چھوٹے ممالک کو ابلاغی جنگ کے ذریعہ تباہ کن نقصان پہنچانے کی صلاحیت رکھتے ہیں، جوہری طاقت رکھنے والے ہندوستان اور پاکستان کا معاملہ، ان تمام مسائل ومشکلات کا سد باب اسی میدان میں برسر پیکار رہ کر ہی کیا جاسکتا ہے۔ اگر مسلمان اس میدان میں خاموشی و پسپائی اختیار کرتا ہے تو وہ مزید پیچھے دھکیل دیا جائے گا، خلاء (vacuum) چھوڑنا یا رقیب و

مخالف کو کھلی چھوٹ دینا غیر شرعی و غیر منطقی طرز عمل ہوگا۔لوہا لوہے کو کاٹتا ہے، ہاں میڈیا کے استعمال کی حدود و قیود کو متعین کیا جانا چاہیے کیونکہ میڈیا کے مابعد الطبیعیاتی نقصانات و منفی اثرات پر مفکرین و محققین متفق ہیں۔

* ڈاکٹر فصیح احمد کے بقول میڈیائی معاشرہ کے انسان کا حافظہ کمزور ہے اور وہ میڈیائی حربوں سے فوری متاثر بھی ہوجانے والا ہے لہذا وہ اسلام و مسلمان سے متنفر و خائف ہو کر اپنی عاقبت برباد کرسکتا ہے لہذا مسلمان کو اپنی تبلیغی و داعیانہ ذمہ داریوں کی ادائیگی کی غرض سے بھی ایک معتد بہ تعداد میں اس میدان میں موجود رہنا ضرور ہے۔

* نیز فصیح صاحب اور ان کے ہم فکر دیگر قابل احترام اصحاب بھی زیادہ نہ صحیح مگر محدود پیمانے پر اسی میڈیا سے مدد لیتے ہیں یا ان کی بات اسی میڈیا کے ذریعہ و توسط سے آگے منتقل کی جاتی ہے"

اسلام میں کفر کا خاتمہ مطلوب ہے، اگر ایسا نہیں کر سکتے تو قیام کریں اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو کفر سے لاتعلقی ہونی چاہئے، اس کے برخلاف مسلمان ایک چوتھی چیز لائے ہیں کفر کے ساتھ competition یعنی مسابقت و مقابلہ۔ہمیں کفر کو شکست دینی ہے، ہمیں کفر کو غالب نہیں ہونے دینا، اس کی مزاحمت نہیں کرنی بلکہ اسے ہر میدان میں compete کرنا ہے۔کفر اگر وہاں ہے تو ہمیں بھی وہیں پہنچنا ہے" یہ رویہ تمام عالم اسلام میں موجود ہے۔

"یعنی ہم نے بھی اُن جیسا ہونا ہے، ترقی و خوشحالی(progress)اور آزادی (freedom)وغیرہ کے تصورات اور اقدار اپنا کر مغرب جیسا بننا ہے، انہی پائمال راہوں پر جانا ہے جس پر چل کر غیر مسلم دین بیزاری کے مقام پر پہنچ چکے ہیں، نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی پیروی سے منع فرمایا ہے:''تم اپنے سے پہلے والوں کے طریقوں کی بالشت در بالشت اور ہاتھ در ہاتھ پیروی کروگے، یہاں تک کہ وہ اگر گوہ کے بل میں داخل ہوئے ہوں تو تم بھی اس میں داخل ہوں گے، اس پر صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! پہلے والوں سے آپ کی مراد کیا ہے؟ یہود و نصاریٰ؟ تو آپ نے فرمایا: تو پھر اور کون۔[۱] عموماً

[۱] متفق علیہ

یہی خیال کیا جاتا ہے کہ یہ " شے" پر نہیں "اس کے استعمال" پر منحصر ہے کہ کوئی اسے صحیح و جائز استعمال کرتا ہے یا غلط و ناجائز۔ میڈیا محض ذریعہ یا ٹول نہیں بلکہ پورا ایک نظامِ اقدار یا سسٹم ہے، جو فرد اور سماج کی کایا کلپ کر کے انکے طبائع و رویوں personalities & behaviors اور ان کے مزاج و میلان interests & tendencies پر اثر انداز ہو کر انہیں ایک روایتی شخصیت mankind سے جدید و میڈیائی پرسنالٹی digital human میں بدلتا جا رہا ہے"

جب ماس میڈیا یا مین اسٹریم میڈیا سوشل میڈیا میں تبدیل ہو گیا تو یہ مزید خوفناک ہو گیا ہے، کئی مذہبی علماء کے خیال میں سوشل میڈیا ایک غیر اقداری یا value neutral شے ہے جیسے کہ چھری، اس سے سیب بھی کاٹا جا سکتا ہے اور کسی کا قتل بھی کیا جا سکتا ہے۔

"عموماً یہی خیال کیا جاتا ہے کہ یہ "شے" پر نہیں "اس کے استعمال" پر منحصر ہے کہ کوئی اسے صحیح و جائز استعمال کرتا ہے غلط و ناجائز، گویا میڈیا تو محض ایک ذریعہ یا ٹول tool ہے جسے درست بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور نادرست بھی، یہ مکمل طور پر اس کے استعمال کرنے والے (user) پر منحصر ہے کہ وہ اسے کیسے اور کن مقاصد و اہداف کے حصول کے لئے استعمال کرتا ہے جبکہ میڈیا محض ذریعہ یا ٹول نہیں بلکہ پورا ایک نظامِ اقدار یا سسٹم ہے، جو فرد اور سماج کی کایا کلپ کر کے ان کے طبائع و رویوں (personalities & behaviors) اور ان کے مزاج و میلان (interests & tendencies) پر اثر انداز ہو کر انہیں ایک روایتی شخصیت mankind سے جدید و میڈیائی پرسنالٹی یعنی digital human میں بدلتا جا رہا ہے"

درحقیقت سوشل میڈیا نے سرمایہ دارانہ سماج میں ایک نئی معیشت یا اکانومی کا تصور پیش کیا ہے جسے attention economy کہا جاتا ہے، اس وقت میڈیا کی تعمیر شدہ ڈیجیٹل دنیا (digital constructed world) میں سب سے بڑی commodity (جنس) انسانی توجہ (human attention) ہے، اس ڈیجیٹل ورلڈ (یعنی الیکٹرونک ٹیکنالوجی) میں یہ تخمینہ لگایا جاتا ہے کہ فرد یا یوزر کتنا مصروف ہے؟ کتنا وقت سوشل میڈیا کو دیتا ہے؟ اور اس کی اسی توجہ و ارتکاز سے سرمایہ capital جمع ہوتا ہے (یہ عہدِ جدید یا پوسٹ ماڈرن ورلڈ کی

ارتکازی معیشت ہے) The Age of Surveillance in Capitalism by زوبوف Sociana Zobof نے بتایا کہ اس وقت سب سے بڑا ڈیٹا انسانی رویہ human behavior ہے\

یادرہے! یہودی مؤرخ اور مقبول لکھاری پروفیسر یوول نوح حریری Yuval Noah Harari اپنی کتاب 21 lessons for 21st century (2018) میں انٹرنیٹ پر انسانی سرگرمیوں سے متعلق معلومات کو "big data" کہتا ہے جس کی مالک دنیا کی بڑی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں جیسے گوگل وفیس بک وغیرہ ہیں، اس کے مطابق ملٹی نیشنل کمپنیوں میں زیادہ سے زیادہ انسانی ڈیٹا یا کوائف ومعلومات جمع کرنے کی دوڑ یا مقابلہ بازی شروع ہوچکی ہے اور یہ کہ اب اجارہ داری انسانوں کی بجائے ڈیٹا یا 'الگور یتھم (algorithm) کو منتقل ہورہی ہے مثلاً اشتہار کی دنیا میں اس وقت سب سے بڑا خریدار گوگل سرچ انجن ایلگوریتھم ہے۔ظاہر ہے ایلگوریتھم ہوش وحواس نہیں رکھتا، نہ جذبات رکھتا ہے نہ خواہشات اور نہ ہی آئس کریم کھا سکتا ہے مگر آج کی دنیا میں بہترین آئس کریم کون سی ہے؟اس کا فیصلہ گوگل رینکنگ کرتی ہے۔میرا ذاتی تجربہ ہے کہ جب کوئی کتاب اشاعت کے لیے بھجواتا ہوں،تو ناشر کے ساتھ ساتھ ایلگوریتھم کی مہارت درکار ہوتی ہے، جو زبان کی تصحیح کرتا ہے اور یہ کہ اختیارات سارے کے سارے ایلگورتھم کے ہاتھوں میں چلے جائیں گے اور پھر ڈیجیٹل ڈکٹیٹر شپ کا عروج بلکہ حکمرانی ہوگی۔

سوشل میڈیا سے انسانی ترجیحات (preferences) متعین کی جاتی ہیں (یعنی کوئی بھی شخص کس وقت کس قول وفعل کو اہمیت دیتا ہے اور اسے دوسرے کے مقابلہ میں اختیار کرتا یا ترجیح دیتا ہے) گوگل انسانی ڈیٹا رکھنے اور بیچنے والی سب سے بڑی کثیر قومی کمپنی (corporation) ہے، گویا سوشل میڈیا ایک attention economy ہے جو فرد و خاندان کی ذاتی زندگی یا پرائیویسی میں داخل ہوجاتی ہے (اس پر حملہ آور ہوتی اور ہمارے رجحانات ومیلان کو جانچتی اور پھر اس کا تعین بھی کرنے لگتی ہے) مگر اس کے بارے میں ایک غلط رائے یہ ہے کہ یہ ویلیو نیوٹرل ہے جبکہ اس کے برخلاف حقیقت یہ ہے کہ اس نے ایک

بالکل نئی معیشت کو جنم دیا ہے تو یہ غیر اقداری کیسے ہو سکتی ہے؟ اب سوال یہ ہے کہ پھر اس سوشل میڈیا کی اقدار یا ویلیوز کیا ہوتی ہیں؟

پہلی قدر: Online communication is more important than real relationships. یعنی لوگوں کی آن لائن کمیونیکیشن (بات چیت) یا ورچوئل فرینڈ شپ (virtual friendship) وہ عموی دوستی (real friendship) سے زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے گویا اصل، روایتی میل ملاپ والے دوستانہ تعلقات کی بجائے ورچوئل فرینڈ شپ زیادہ بہتر ہے، نفسیاتی طور پر اصل تعلقات پر سوشل میڈیائی تعلقات کو ترجیح دی جاتی ہے اور لوگ اپنے سبسکرائبرز، لائکس اور رائے وغیرہ کے لئے پریشان رہتے ہیں۔ وہ عام طور پر ویڈیو وغیرہ نہیں دیکھتا اور مستقل پریشان و بے چین رہتا ہے۔

دوسری قدر: speed of communication is more important than quality of communication. یعنی ابلاغ کی رفتار و مقدار اس کے معیار یا کوالٹی سے کہیں زیادہ اہم ہے، ابلاغ کی رفتار کس قدر ہے؟ ایک دوسرے سے مواصلاتی یا اطلاعاتی رابطے کتنے موجود ہیں؟ فرد کی وہاں موجودگی کتنی ہے؟ کتنی جگہوں پر موجود ہیں؟ درحقیقت سوشل میڈیا ایسا پنجرہ ہے جس میں موجود لوگوں یا افراد کا مطمح نظر یہی ہوتا ہے کہ وہ کسی طرح ٹاپ ٹرینڈ پر جگہ بنالیں، ٹویٹر انقلاب یہی ہے کہ ٹاپ ٹرینڈ تک رسائی پالینا اور پھر واپس نیچے آجانا یہی دائرے ہیں، یہاں ذات اور صحبت ناپید ہوتی ہے، معنی یا معنویت (meaning) پیمائش (measurement) سے کمتر ہو جاتی ہے۔ مذہبی لوگ منصوبہ بندی کر رہے ہیں کہ سبسکرائبر (subscribers)، لائکس (likes) اور کمنٹس (comments) کیسے بڑھیں، لفظ سے تصویر کو بدل دیا گیا ہے، بچے کی چھوٹی عمر میں ہی اس کا تعلق لفظ سے جوڑنے اور دس سے بارہ سال کی عمر تک سوشل میڈیا سے دور رکھنے کی ضرورت ہے۔ امیج کے بدلنے سے thought بدل جاتی ہے، یہ معاملہ لفظ میں نہیں ہوتا۔

تیسری قدر: آج ہر معاملہ میں عقلی دلیل کا مطالبہ اس لیے کیا جاتا ہے کیونکہ مثالی "کردار" ختم ہو گیا ہے لہٰذا اب صرف "دلیل" کام کرے گی اور اسی کا مطالبہ کیا جاتا ہے، اس کے نتیجہ میں

جو تیسری قدر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ فرد emerging present کا قیدی بن جاتا ہے، یعنی وہ زمان ومکان میں محدود ومقید ہو جاتا ہے جبکہ معلوم ہے کہ مذہب اس کے برخلاف فرد و سماج کو زمان ومکان کی قید سے آزادی دلانا چاہتا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ سوشل میڈیا کا اس قدر غالب انداز میں ظاہر ہوئے کوئی بارہ تیرہ سال ہوئے ہیں، کیا انفارمیشن کے اس طرح ہر طرف پھیل جانے سے کوئی بڑی تبدیلی آئی؟ کوئی عملی تبدیلیاں آئیں؟

درحقیقت سوشل میڈیا ایسا نشہ ہے جس میں موجود لوگوں یا افراد کا مطمح نظر یہی ہوتا ہے کہ وہ کسی طرح ٹاپ ٹرینڈ پر جگہ بنالیں۔ ٹویٹر انقلاب یہی ہے کہ ٹاپ ٹرینڈ تک رسائی پالینا اور پھر خاموشی سے نیچے آجانا۔ گویا اس کا مقصد ٹاپ ٹرینڈ پر جگہ بنا لینا ہے، بامعنی ابلاغ یا کمیونیکیشن نہیں ہوتی، یہاں لفظ و ذات اور صحبت ناپید ہوتی ہے۔ لوگ اپنی زندگیاں انہی دائروں اور ضابطوں میں گزار رہے ہوتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ معنی یا معنویت (meaning) پیمائش (measurement) سے کم اہم ہو جاتی ہے یہ اس سوشل میڈیا سسٹم کا خاصہ ہے، سبسکرائبرکس کے زیادہ ہیں؟ مثلاً مشہور ہو جانے والے "چائے والے" کو ایک رات میں اتنے likes ملے جو کسی دوسرے کو نہ ملے، درحقیقت اس نے اس کی کوئی پلاننگ نہیں کی تھی۔ اسی طرح کوئی باہر برہنہ کھڑا ہو کر پیشاب کر رہا ہو اور اس کی ویڈیو بنالی جائے تو اس کو بھی کئی لوگ لائک کر دیں گے۔ اتنی ذیلی شے جو اس برے طریقہ سے حاصل ہو رہی ہے اسے حاصل کرنے کے لئے مذہبی لوگ بھی منصوبہ بندی کر رہے ہیں کہ سبسکرائبر (subscribers)، لائکس (likes) اور کومنٹس (comments) کیسے بڑھیں؟ اس کے برعکس روایتی علماء فاسق وفاجر کی پسند کو ناپسند کیا کرتے تھے، مذہبی یوٹیوبر اور سیکولر یوٹیوبر کے اسٹائل واہداف میں فرق نہ ہونے کے برابر رہ جاتا ہے۔ ان دونوں کے ہاں اہم یہی ہو جاتا ہے کہ سبسکرائبرز کتنے ہیں، مذہبی یوٹیوبر، جب یوٹیوب کے سلور اسٹار کو شکریہ کہتا ہے تو گویا وہ اس کو پرموٹ کرتا ہے، گویا وہ ویلیو نیوٹرل تو خیر کیا ہوگا وہ آئیڈیالائز ہو چکا ہے۔

اگر کوئی خنزیر کا شاشلک کھائے تو کیا اس کا یہ کھانا اضطراری ہوگا یا شوقیہ؟ معلوم ہے کہ سوٴر کے تکہ کباب کھانا اضطراری کیفیت ہرگز نہیں ہوسکتی گویا اس کا طرز عمل بتا دیتا ہے کہ یہ

اضطراری ہے یا نہیں۔سوشل میڈیا کا جو اثر پڑتا ہے وہ شدید نفسیاتی عارضہ کی صورت میں ہوتا ہے جسے FoMO کہا جاتا ہے۔اس نفسیاتی مسئلہ کی وجہ سے کوئی 500 نفسیاتی مسائل جنم لے چکے ہیں۔یادرہے! فوموFoMO Fear of missing outایک ایسی اصطلاح ہے جو 2004 میں سوشل نیٹ ورکنگ سائٹس پر متعارف ہوئی۔اسے اردو میں (سوشل میڈیا سے) لا پتہ ہوجانے کا خوف کہا جا سکتا ہے۔یہ ایک ایسا ذہنی رویہ ہے جس میں فرد کوشش کرتا ہے کہ سوشل میڈیا پر ہر صورت میں اپنی موجودگی اور تعلقات کو برقرار رکھے۔یہ سوشل میڈیا سے ایک ایسا تعلق ہے جو بذاتِ خود مسئلہ بن جاتا ہے۔اس تعلق کے اثرات منفی اور فرد کے لئے ضرررساں ہوتے ہیں، جس کے نتیجہ میں نیند متاثر ہوتی ہے، تعلیمی کارکردگی پر اثر پڑتا ہے اور دیگر صحت مند سرگرمیاں متاثر ہوتی ہیں اور ایسے فرد کو نفسیاتی علاج کی ضرورت ہوتی ہے۔ایسا شخص سوچتا ہے کہ میں سوشل میڈیا پر چیزیں مس کررہا ہوں، مَیں سوشل میڈیا پر موجود نہیں ہوں جبکہ تاثر یہ ہے کہ میڈیا یا سوشل میڈیا ویلیو نیوٹرل ہے۔ایک شے پوری علمیت کو بدل رہی ہے، انسانی دماغ کو تبدیل کررہی ہے اور ہم اسے ویلیو نیوٹرل خیال کرتے ہوئے اسے ایسی چھری سمجھ رہے ہیں جو آڑو بھی کاٹ سکتی ہے اور انسان کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے۔ مستقل موازنہ کیا جاتا رہتا ہے۔

چوتھی قدر: قدر یا مسئلہ وہ ہے جسے ہائی لائٹ رِیل(highlight reel) کہا جاتا ہے یعنی اصل زندگی کا سوشل میڈیائی دنیا سے موازنہ کرتے رہنا۔گھر والوں کے اپنے قریبی رشتے داروں سے تعلقات کمزور پڑتے جاتے ہیں، ہر شخص اپنے گھر اور محلہ کی بجائے عالم اسلام کے لئے فکر مند نظر آتا ہے جبکہ اسلام کی اصل ذمہ داری آپ کے گھر والوں کی ہے۔

اگلا اثر جو آتا ہے وہ خود پسندی وخودنمائی ہے،narcissism ہے۔دین کی دعوت کا منہج یہ ہے کہ وہ دعوت آپ پر کیا اثر ڈال رہی ہے؟ کیا ایسی دعوت مجھے خراب کررہی ہے تو ایسی دعوت وتبلیغ کو جاری رکھنا درست ہوسکتا ہے؟ ایسا شخص جو مستقل سوشل میڈیا پر موجود رہتا ہے اور شیئرنگ کرتا رہتا ہے، ایک سوشل میڈیا کے عادی شخص کے لئے اس کا ہونا دراصل اس کے شیئر کرنے ہی پر منحصر ہے۔گویا اگر وہ شیئر نہیں کرتا تو وہ دراصل ہے ہی نہیں، سوشل میڈیا پر مستقلrespond کرنے سے مستقل جواب دینے سے انسان کے اندر خودنمائی کا احساس یا

عادت نمو پانا شرع کر دیتی ہے، اس خودنمائی کا تعلق visual culture سے ہوتا ہے۔ مذہبی لوگ بیمار ہو جائیں تو ویڈیو کے ذریعہ بیماری سے بچنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ وہ مذہب جو فضول گوئی سے منع کرتا ہے وہ فضول تصاویر کو کیونکر پسند کر سکتا اور اس کی اجازت دے سکتا ہے۔ فرد سیلف پروجیکشن کے چکر میں رہتا ہے۔ دنیا میں اکثر فلسفی اس حوالہ سے لکھ رہے ہیں۔ Subjective reason کا دنیا میں خاتمہ ہو رہا ہے، ٹی وی اور اسمارٹ فون دراصل سپلائی آف امیج ہے، غور کرنے subjective reason کا وقت کہاں ہے؟ جبکہ دین تدبر و تفکر کی بات کرتا ہے۔

عالمِ اسلام کے سامنے موجود چیلنج کیا ہے اور اس کو حل کیسے کرنا ہے؟ مثلاً میڈیسن پر تنقید کی جا سکتی ہے مگر کسی کو ہارٹ اٹیک ہو تو وہ مریض کو کہاں لے جائے گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی کا انفرادی مسئلہ ہو تو اسے ہسپتال لے جانا چاہیے لیکن جب اس کی اجتماعیت سے مخاطب ہوں گے تو اس پر تنقید ہونی چاہیے، اسی طرح اگر کسی کا کوئی انفرادی مسئلہ ہو تو اسے سوشل میڈیا پر حل کیا جا سکتا ہے۔ امریکہ کے بڑے کمپیوٹر سائنٹسٹ اور ماہر نفسیات مثلاً جیرولینیئر ،کرسٹن ہیرس وغیرہ نے اپنے غیر مذہبی منہج میں سوشل میڈیا کے خلاف مہم جاری رکھی ہوئی ہے Quit Social Media Movement کیا مذہبی منہج میں اس طرح کی کوئی تحریک نہیں چلائی جا سکتی؟

لوگ سوشل میڈیا پر اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں تو یہ بات یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ سوشل میڈیا بذاتِ خود destruction پر کھڑا ہے، اس کی بنیاد attention economy پر ہے۔ یہ میڈیم جس نے ابلاغ یا کمیونیکیشن کا منہج یا طریقہ تبدیل کر دیا ہے، ایسا میڈیم جس سے کوئی حتمی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ اس میں معنویت نہیں ہے، اس میں یوزر کبھی بھاری ہو جاتا ہے اور کبھی ہلکا ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں اس وقت عالمِ اسلام کے سیاسی چیلنجز کے ساتھ ساتھ یہ میڈیائی چیلنج بھی ہے کہ اسلامی علمیت کو کیسے detechnologize کیا جائے؟ ہم visual reality کے ذریعہ جس طرف جا رہے ہیں وہ ٹھیک نہیں کیوں کہ حدیثِ مبارکہ کے ساتھ تصویریں چل رہی ہوتی ہیں۔ انسان کا ذہن امیج کی طرف منتقل ہو جاتا

visualizationہے لہٰذا ورڈ کو امیج سے اگر بدل دیا گیا خصوصاً دس بارہ سال کے بچوں کو اس سے بچانے کی ضرورت ہے کیونکہ آگے چل کر تو اسے بحالتِ مجبوری دیکھنا پڑے گا۔ اس سے ابلاغ کرنے کی بات چیت کرنے کی ضرورت ہے بجائے اسے موبائل کے حوالہ کر دینے کے۔

سید خالد جامعی صاحب اس صورتحال کی سنگینی کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: "ایک پاکستانی صفِ اول کے اسلامسٹ کالم نگار بڑے اچھے و نیک آدمی نے بتایا۔ ان کی اہلیہ کوئی امتحان دے رہی تھیں، انہوں نے اس امتحانی عرصہ میں بچے کو کارٹون دیکھنے پر لگا دیا۔ ایک سال کے اندر اندر اس بچے کی زبان ہی بدل گئی، اس نے کارٹونوں کی زبان اور لہجہ اختیار کر لیا، یہاں تک کہ کارٹون کیریکٹرز جیسا انداز اختیار کر لیا۔ اس دوران والدین نے پاکستان سمیت امریکہ و یورپ کے بڑے بڑے ماہرینِ نفسیات سے بھی رجوع کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ معاملہ ایک دو سالوں میں بہتر ہو جائے گا مگر اب وہ بچہ اٹھارہ سال کا نوجوان بن چکا مگر وہ اب بھی ان کارٹونوں جیسی حرکات کو نہیں چھوڑ پایا۔ یہ زبان، لہجے اور انداز اس نے internalize کر لیے ہیں اور انہیں ترک کرنے پر قادر ہی نہیں رہا۔ اب وہ رات کو بھی اٹھ اٹھ کر کارٹونوں کی مانند بھاگتا ہے اور اسے سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے مغربی ممالک میں ایسے بچوں کی تعداد ہزاروں میں ہے جو میڈیا سے شدید متاثر ہیں" بچے اس قدر کارٹونز کیوں دیکھتے ہیں؟

تمام تہذیبوں میں اخلاقی مسائل کا اخلاقی حل ہوتا تھا، جدیدیت واحد تہذیب ہے جہاں اخلاقی مسائل کو بھی ٹیکنالوجی سے حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، مثلاً مغربی ممالک میں بچے اسمارٹ فونز اور دیگر انٹرنیٹ ڈیوائسز کی وجہ سے بہت بگڑ رہے ہیں تو انہوں نے برطانیہ میں (2017ء میں) بچوں کے اسمارٹ فونز میں حکومت سے ڈیجیٹل ایپلی کیشن داخل کروائیں تاکہ بچوں کی سرگرمیوں کا پتہ لگائے جا سکے کہ وہ کیا کیا سرف یا سرچ کرتے اور دیکھتے ہیں؟ اور پھر ایک سال کے اندر اندر ایپلیکیشن کا استعمال شوہر نے بیوی کے خلاف اور بیوی نے شوہر کے خلاف کیا۔ اسی طرح گرل و بوائے فرینڈز نے بھی کیا۔ بچہ پیدائشی تو بگڑا ہوا نہ تھا، بگڑا اس لیے رہا ہے کہ والدین کے پاس کمیونیکیشن کا وقت نہیں ہے اگر بچے کو مصروف رکھنا ہے تو اسے کہانیاں پڑھائیں تاکہ الفاظ سے تعلق استوار رہے، بچے کی چھوٹی عمر میں ہی اس کا

تعلق لفظ سے جوڑنے اور دس سے بارہ سال کی عمر تک سوشل میڈیا سے دور رکھنے کی ضرورت ہے۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے ملحد بھی بچوں کو سوشل میڈیا سے دور رکھنے کی بات کرتے ہیں، یہاں یہ نہیں کہا جارہا کہ اچھی چیزیں دیکھو بری نہ دیکھو۔ یہاں یہ نہیں کہا جارہا کہ اسلامی کارٹون دیکھو! نہیں! بلکہ اگر بچے کا ذہن صرف animation تک محدود ہوگیا (تو وہ لفظ سے تعلق نہیں جوڑ پائے گا) امیج کے بدلنے سے thought بدل جاتی ہے۔ یہ معاملہ لفظ میں نہیں ہوتا مثلاً آج سے سات سال قبل میں نے ارطغرل غازی کو پڑھا تو میرے ذہن میں اس کے بارے میں تقدس قائم ہوگیا مگر میرے ایک دوست نے اس کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ اس کا ڈرامہ بھی دیکھا تو اس نے بتایا کہ بھئی! میرا ارطغرل سے تقدس کا تعلق fantasy یا خواب وخیال اور تصوراتی سے تعلق میں بدل گیا ہے۔ بچوں کو زبانی کہانیاں سنائی جائیں۔

یاد رہے! ترک ڈرامہ سیریل ارطغرل غازی کے اداکاروں کی ذاتی اور روزمرہ زندگی کے حوالہ سے میڈیا پر کافی بحث جاری رہی کیونکہ ان اداکاروں کی پرسنل اور میڈیائی لائف ارطغرل ڈرامے میں ظاہر کئے جانے والے تاثر و امیج سے میل و مطابقت نہیں رکھتی۔ ڈرامہ کے کردار بہت حد تک اسلامی شناخت اور احساسات کو اجاگر کرتے دکھائے جاتے رہے مگر حقیقی زندگی میں وہ لبرل وسیکولر اور حیاء باختگی کے نمونہ تھے۔ اس تناقص یا تضاد کو مغربی میڈیا مثلاً بی بی سی نے خوب اچھالا اور اس پر پروپیگنڈہ بھی کیا۔ بچوں سے oral تعلق استوار کرو، اس کا حل یہ نہیں کہ ماں مصروف ہے تو کوئی gadget اس کے ہاتھ میں پکڑا کر خود بھی اس میں ہی یا کہیں اور مصروف ہوجاؤ، بچوں میں لفظ اور ذات کی اہمیت واضح کریں، ایک مذہبی انسان کا کارٹون شریعہ حدود یا رکاوٹوں والا Shariah Constraint کارٹون ہوگا، اس میں میوزک نہیں ہوگا، صرف منہ سے میوزک بجے گا، اس میں کوئی بے حیائی نہیں ہوگی بالآخر وہ اسلامی کارٹون کے مقابلہ میں وہ لبرل وسیکولر کارٹون کو زیادہ معیاری اور پرلطف جان کر اس کی طرف مائل ہوجائیں گے۔ اسلامی کارٹون بنانے سے کارٹون میکر inferiority complex کا شکار ہوجاتا ہے کہ مجھے اس سے بہتر کرنا ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر: ۴۰)

مطالعۂ کتاب مدیر

قرآنی اُردو۔اشتقاقی انسائیکلوپیڈیا

از لیفٹیننٹ کرنل (ر) عاشق حسین

قرآن حکیم کے ۹۴ فیصد الفاظ اور ان کے اشتقاقات اُردو میں مستعمل ہیں
الحمدللہ! ہم ''تدریس القرآن'' کے منصوبے میں کرنل صاحب کی اس تھیوری پر
پہلے ہی سے عمل پیرا ہیں۔تفصیل آگے آرہی ہے۔

''قرآنی اُردو۔اشتقاقاتی انسائیکلوپیڈیا'' کا ہمیں حال ہی میں سوشل میڈیا سے پتا چلا تو ہم نے اس کے مصنف کرنل (ر) عاشق حسین صاحب سے رابطہ کیا تو انہوں نے کتاب ہمارے مطالعے اور تبصرے کے لیے بھجوادی۔کتاب دیکھ کر خوشی ہوئی کہ کرنل صاحب نے اس موضوع پر تحقیق کا حق ادا کیا ہے کہ اُردو میں کتنے فیصد الفاظ ایسے ہیں جو یا تو قرآنی الفاظ ہیں یا ان الفاظ کے اشتقاقات (Derivatives) ہیں۔ان کی تحقیق کے مطابق قرآنی مادہ جات اور اُردو میں ان کے استعمال کا حاصل یہ ہے:

	کل	اُردو میں مستعمل	فیصد	اردو میں غیر مستعمل	فیصد
میزان قرآنی مادہ جات	1803 تقریباً	1199 تقریباً	66.50 تقریباً	603	33.50 تقریباً
میزان قرآنی الفاظ	50,170 تقریباً	47,470 تقریباً	94.60 تقریباً	2,698	5.40 تقریباً

کرنل صاحب کی رائے میں ان اعدادوشمار سے مندرجہ ذیل عمومی نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں:

* قرآنی الفاظ کی غالب اکثریت اُردو میں مستعمل ہے (تقریباً 94 فیصد)
* اُردو میں مستعمل اکثر قرآنی الفاظ ہمارے معاشرے کے عام پڑھے لکھے افراد

کے لیے معروف ہیں اور ان میں سے بہت کم قرآنی الفاظ ایسے ہیں جن کا استعمال اردو میں صرف ادبی سطح تک محدود ہے۔

* اُردو میں استعمال ہونے والے قرآنی مصادر اور ان سے مشتق الفاظ کے آپس میں تناسب سے یہ انتہائی دلچسپ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اردو میں مستعمل قرآنی مصادر خود قرآن میں بھی نسبتاً زیادہ تکرار سے استعمال ہوئے ہیں۔یعنی تقریباً 1200 قرآنی مصادر جو اردو میں مستعمل ہیں ان سے ماخوذ الفاظ کی تعداد قرآن میں تقریباً 47,470 ہے (تقریباً 39 الفاظ فی مصدر) جبکہ دوسری طرف وہ قرآنی مصادر یا الفاظ جو اردو میں رائج نہیں ہو پائے ان کے استعمال یا تکرار کا تناسب خود قرآن میں بھی نسبتاً کم ہے۔یعنی تقریباً 600 مصادر سے قرآن کے تقریباً 2700 الفاظ ماخوذ ہیں (تقریباً 4 الفاظ فی مصدر)۔

* مکی سورتوں میں مشکل الفاظ اور ادبی محاسن مدنی سورتوں کی نسبت بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔اس لیے مدنی سورتوں کے الفاظ آسان اور عام فہم ہونے کے باعث اردو میں نسبتاً زیادہ تعداد میں مستعمل ہیں۔

کرنل صاحب نے بطور محقق اپنے حصے کا کام کر دیا اور ثابت کر دیا کہ اُردو دان طبقہ اپنے ذخیرۂ الفاظ کے ذریعے قرآنی عربی کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔اب ضرورت اس بات کی تھی کہ اس تھیوری پر عمل کر کے اسے بروئے کار لایا جائے۔الحمدللہ! کہ اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق راقم السطور کو دی اور وہ 2018ء سے اس اصول پر عمل پیرا ہے۔اس کی ایک پوری تفصیل ہے جو حاضرِ خدمت ہے۔

البرہان

غالباً 1988ء میں راقم نے تحریک رجوع الیٰ القرآن کے تحت ایک بروشر شائع کیا جس کا عنوان تھا ”ہمارے مسائل کا واحد حل“[1] جس میں دیگر باتوں کے علاوہ ہم نے یہ بھی کہا

[1] یہ بروشر ہمارے مجموعہ ”مقالات امین“ کی جلد اوّل میں ”تعلیم و تربیت“ کے عنوان کے تحت، ص ۳۸۳ پر موجود ہے۔یہ مضمون ماہنامہ البرہان میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

کہ قرآن مجید کا ترجمہ ہر مسلمان کو آنا چاہیے اور اس کے لیے ہر آدمی کو عربی (خصوصاً عربی گرامر) سکھانے کے جھنجھٹ میں نہیں ڈالنا چاہیے بلکہ اردو میں موجود عربی الفاظ اور ان کے اشتقاقات، جو ہر آدمی کے حافظے (Vocabulary) کا حصہ ہوتے ہیں، ان کو استعمال کرنا چاہیے۔اس طرح ایک عام پاکستانی مسلمان، جو عربی پڑھا ہوا نہیں ہے، قرآن حکیم کا بڑا حصہ (مَیں اس کے لیے عموماً ''70 سے 80 فیصد تک'' کے الفاظ استعمال کرتا تھا)۔ یہ بروشر محدود لوگوں تک پہنچا۔تاہم میں نے اپنے حلقۂ قرآنی میں اس تیکنیک کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔

1994ء میں جب مَیں بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی شریعہ اکیڈمی میں اسسٹنٹ پروفیسر تھا اور وہیں ہاسٹل میں میری رہائش تھی، ایک دن راولپنڈی سے دو نوجوان میرے پاس آئے اور کہا کہ انہوں نے سیٹلائٹ ٹاؤن کی ایک مسجد میں حلقۂ قرآنی شروع کیا ہے (ان میں سے ایک نوجوان کا نام فیض تھا اور ان سے بعد میں لاہور میں بھی میری ملاقاتیں ہوتی رہیں)۔ انہوں نے کہا ہمیں پتا چلا ہے کہ آپ کسی خاص طریقے سے ترجمۂ قرآن سکھاتے ہیں۔ میں نے انہیں کچھ تفصیلات بتائیں تو وہ کہنے لگے کہ بہتر یہ ہے کہ آپ اسے عملی طور پر Demonstrate کریں۔ ہماری مسجد میں طلبہ اس وقت موجود ہیں، آپ ہمارے ساتھ چلیے، ہم آپ کو واپس چھوڑ جائیں گے۔ چنانچہ مَیں ان کے ساتھ گیا اور ان کے طلبہ کو ایک ماڈل Lesson پڑھایا۔وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے اس پر عمل شروع کر دیا۔کئی سال بعد اچانک فیض صاحب سے لاہور میں ملاقات ہوئی تو پتا چلا کہ وہ حفیظ سنٹر میں کسی کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں اور وہیں انہوں نے میرے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ترجمۂ قرآن کی کلاس شروع کی ہوئی ہے۔انہوں نے کہا کہ وہ 1994ء کے بعد سے اس طریقے سے مسلسل لوگوں کو ترجمۂ قرآن سکھا رہے ہیں۔ جب انہوں نے لاہور میں سبزہ زار میں رہائش اختیار کی تو وہاں بھی حلقۂ ترجمۂ قرآن شروع کر دیا۔اس کے علاوہ انہوں نے ایک اور حلقۂ قرآن شروع کر رکھا تھا جس میں وہ کئی پارے پڑھا چکے تھے اور قرآن ختم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ بعد میں جب ان کی شادی ہوئی تو انہوں نے اپنی اہلیہ کو بھی اس کام میں شریک کر لیا اور ان کے گھر میں عورتوں کا حلقۂ ترجمۂ قرآن شروع ہو گیا۔

2018ء میں جب مرکزی حکومت نے تعلیمی اداروں میں ترجمۂ قرآن پڑھانے کا قانون پاس کر دیا جس میں نواز شریف حکومت کے انجینئر بلیغ الرحمٰن صاحب نے ذاتی دلچسپی لی۔ صوبوں میں بھی یہ قانون منظور ہو گیا تو ہم نے اپنے ادارے 'تحریک اصلاحِ تعلیم ٹرسٹ' کے تحت ترجمۂ قرآن پراجیکٹ پر کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ بازار میں طلبہ کو ترجمۂ قرآن سکھانے کے لیے موجود مواد کو ہم نے دیکھا تو اسے غیر مناسب پایا۔ مَیں نے اپنے ساتھیوں کو اپنی تھیوری اور اپنے سابقہ کام سے آگاہ کیا تو یہ فیصلہ ہوا کہ مَیں اس پراجیکٹ پر کام کروں۔ اس کام کے لیے مجھے اس لیے بھی ہمت ہوئی کہ مَیں نے ریاض سعودی عرب میں جامعہ الملک سعود سے غیر عربوں کو عربی سکھانے کا ایک سالہ پوسٹ گریجوایٹ ڈپلومہ کر رکھا تھا۔ اس یونیورسٹی سے عربی میڈیم میں ایم فِل کرنے سے میری عربی بھی مستحکم ہو گئی تھی اور مَیں نے شریعہ اکیڈمی میں ججوں کو قرآنی عربی پڑھانے کا ایک خصوصی کورس بھی ڈویلپ کیا تھا اور انہیں پڑھایا بھی تھا۔

اس پس منظر میں مَیں نے اردو میں عربی ذخیرۂ الفاظ کو بنیاد بنا کر ترجمۂ قرآن سکھانے کے لیے پہلا پارہ تیار کیا اور اس کا نام 'تدریس القرآن' رکھا۔ اسے بعض سکولوں میں بطور پائلٹ پراجیکٹ پڑھوایا اور اس کے بعد اپنے کام کو فائنل کیا۔

2022-23ء میں ایک صاحبِ خیر نے ہمارا ساتھ دیا تو ہم نے ٹیم تیار کی اور لاہور کے تقریباً 1000 سکولوں میں ہم نے تدریس القرآن (برائے اساتذہ اور برائے طلبہ) فری تقسیم کیا اور ٹیچرز ٹریننگ بھی فری کی تاکہ اساتذہ کو پتا چل جائے کہ بچوں کو ترجمۂ قرآن سکھانا کیسے ہے۔ بدقسمتی سے ہم بوجوہ اس کام کو جاری نہ رکھ سکے۔ تاہم اب بھی متفرق لوگ (سکولوں سے اور حلقہ ہائے قرآنی سے) ہم سے رابطہ کرتے رہتے ہیں اور ہم انہیں تدریس القرآن بھجوا دیتے ہیں۔

الحمدللہ! اس وقت تک پہلے 15 پاروں کی تین جلدیں تقریباً تیار ہو چکی ہیں اور میں تدریس القرآن پر ترجیحاً، دیگر کام پس پشت ڈال کر، کام کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کام کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔

بہر حال، کرنل عاشق حسین صاحب کوخوش ہونا چاہیے کہ ہم ان کے ہم خیال ہیں۔ انہوں نے جوتھیوری پیش کی ہے، ہم اس پر الحمدللہ پہلے سے عمل پیرا ہیں اور اسے عملی جامہ پہنا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کرنل صاحب کے کام کو متبول بنائے اور قبول فرمائے اور یہی دعا ہماری اپنے لیے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے 'تدریس القرآن' کے اس کام کو تعلیمی اداروں اور عامۃ الناس میں مقبول بنائیں اور ہمیں اسے پھیلانے کے وسائل عطا فرمائیں۔ ہماری خواہش اور کوشش ہے کہ زیادہ سے زیادہ مسلمان ہمارے سادہ اور آسان طریقے سے قرآن حکیم کا ترجمہ کرنا سیکھیں اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے اور دوسروں کو ترجمۂ قرآن سکھانے کے کام میں لگ جائیں۔ آمین، اللّٰھم ربنّا آمین۔

کتاب خریدنے کے لیے رابطہ: کرنل عاشق حسین صاحب 0320-4147664

بقیہ: میڈیا کے ہوشربا اثراتِ بد

علماء اور خطباء حضرات کو سوشل میڈیا کی بجائے علاقائی سطح پر فوکس کرنے کی ضرورت ہے، سوشل میڈیا کی دعوت سے مبلغ وخطیب کی ذات پر، اس کے کردار پر کوئی اثر نہیں پڑے گا لیکن اگر میں اپنے پڑوسی کو نماز کی دعوت دوں گا تو مجھے نماز پڑھنی پڑے گی اور اگر کوئی گھر والوں کو تو خوب پند ونصائح کرے مگر خود سارا وقت اس کے خلاف کرے تو گھر والے اس کی بات نہیں مانیں گے۔ آج ہر معاملہ میں عقلی دلیل (rational arguments) کا مطالبہ کیا جاتا ہے؟ اب چونکہ مثالی بلکہ کردار ہی ختم ہو چکا ہے لہٰذا اب صرف دلیل کام کرے گی، ہر مسئلہ کے حل کے لیے دلیل کا مطالبہ اسی لیے کیا جاتا ہے، دلیل دینے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر کردار کی اہمیت ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ گویا انفرادی سطح پر مسائل کو تو اس کے ذریعہ مخاطب کیا جا سکتا ہے مگر اجتماعی سطح پر اسے چھوڑنے کی ضرورت ہے جو شخص ہر وقت سوشل میڈیا پر مصروف ہو وہ غور وفکر کب کرے گا؟ کب اپنے کردار میں تبدیلی لانے کا سبب بنے گا؟

اسلام اور مغرب

ڈاکٹر حافظ عثمان احمد [۱]

ریاست کی اسلامائزیشن

مغربیت کی تردید، بعض معاصر مسلم اہل علم کے ہاں ایک ''ڈسپلن آف نالج'' کے طور پر متعارف کروایا گیا اور نصرانیت و یہودیت کی تردید سے علیحدہ طور ''مغربیت'' کو تردید کا مستقل موضوع قرار دیا گیا۔ گویا قرآن کی وہ ساری آیات جو نصرانیت و یہودیت کی تردید میں ہیں وہ ''Relevant'' ہی نہ رہیں کیونکہ قرآن میں ردّ مغربیت کی نصوص موجود نہیں ہیں۔ اب قرآن سے استدلالاً تو ردّ مغربیت ممکن ہے لیکن یہود و نصاریٰ کی تردید کی صریح نصوص کا مورد، ان کو قرار دینا اس ڈسپلن میں ممکن نہیں۔ ورنہ ردّ مغرب کی بجائے ''ردّ یہودیت و نصرانیت'' کی اصطلاح کے استعمال سے ہی مغرب کا مقام واضح ہو جاتا تھا۔

مغربی اداروں اور ان کی اسلامائزیشن کے عمل کو ''تحفظ مغربیت'' قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ اسلام کاری سے کفری ادارے اپنی اصل تبدیل نہیں کر دیں گے۔ اسلامی بنکاری و اسلامی جمہوریت کی اصطلاحات کو استہزا کا نشانہ بناتے ہوئے کہا گیا کہ یہ اسلامی بنکنگ درحقیقت سرمایہ داری کے تحفظ و بقا کی کوشش ہے۔ اسلامی سود کہنے سے سود حلال نہیں ہوگا۔ اسی طرح اسلامی جمہوریت کا نعرہ، دراصل جمہوریت کی حقیقت سے ناواقفیت کا مظہر ہے اور یہ کہ جمہوریت کا خالص کفر، اسلامی جمہوریت کہنے سے مسلمان نہیں بن جائے گا۔

علی سبیل التسلیم، بغیر کسی تبصرے اور بحث کے عرض ہے کہ کیا ریاست خالص جدید ادارہ نہیں ہے؟ کیا جدید سٹیٹ، قدیم اسلامی تاریخ میں موجود رہی ہے؟ جس طرح کمپنی ایک لیگل پرسن ہے کیا ریاست اسی طرح لیگل پرسن نہیں ہے؟ سٹیٹ کا خالص مغربی ادارہ کیوں کر اسلامی بن سکتا ہے؟ اسلامی جمہوریت و اسلامی بنکاری مغربیت کی اسلام کاری ہے لیکن جدید ریاست کو ''اسلامی ریاست'' میں ڈھالنا، اسلامی انقلابی جدوجہد؟ کیا جدید ریاست کی ہیئت، عناصر ترکیبی اور اساس میں ''اسلام'' کارفرما ہے۔ اسلامی بنکاری، اسلامی جمہوریت کی اصطلاحات کا استہزا اور ''اسلامی ریاست'' کی اصطلاح نہ صرف قابل قبول بلکہ اس کے لیے

[۱] ادارہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

اسلامی انقلابی جدّ و جہد ایک لازمی سرگرمی و اسلامی فریضہ۔ کیا کوئی ایسی تقسیم موجود ہے کہ بعض مغربی اداروں کی اسلامائزیشن کی کوشش مغرب سے مرعوبیت ہے اور بعض کی اسلام کاری عینِ شریعت ہے؟ اصولی فرق واضح کردیا جائے کہ جدید ریاست جو جمہوریت کی ماں ہے، وہ ماں مسلمان ہوسکتی ہے لیکن اس کی بیٹی جمہوریت مسلمان نہیں ہوسکتی؟ یہ معلوم حقیقت ہے کہ جدید ریاست کے بغیر جمہوریت کا کوئی عملی مطلب نہیں ہے۔

اسی طرح ''انقلاب'' کی اصطلاح کی اصل واضح کی جائے کہ اسلامی علمیات میں کہاں موجود ہے؟ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے جہاد کو ''انقلاب'' قرار دینے کی ضرورتِ شرعی کیا ہے؟ کیا انقلاب فرانس و انقلاب روس وغیرہم کے تناظر میں ''انقلاب'' کی اصطلاح مغربی نہیں ہے؟ اگر نہیں ہے تو وہ اصول طے کرلیا جائے کہ کسی اصطلاح کو مغربی اصطلاح کب مانا جائے گا تاکہ اسلامی کا لاحقہ لگانے سے پہلے معلوم ہو کہ کہیں اسلامائزیشن کے عمل میں مبتلا تو نہیں ہوگئے۔

تردید مغربیت کے اصول موضوعہ، اگر اسلامی علمیات کی روشنی میں متعین کردیے جائیں تو اس ڈسپلن کی حدود و قیود معلوم ہوسکیں گی۔ مثلاً پہلے طے کیا جائے کہ تردید سے مراد کیا ہے؟ اہل مغرب کی تردید کا مقصد کیا ہے؟ اس تردید کے مخاطب مسلمان ہیں یا اہل مغرب یا مسلم طبقات میں منحرفین؟ اہل مغرب پر قرآن کی تردید یہود و نصاریٰ منطبق ہوتی ہے یا نہیں؟ وغیرہم

البرہان

* ہماری رائے یہ ہے کہ مغربی فکر و تہذیب مبنی بر کفر ہے لہٰذا اس کے سب تصورات اور ادارے مبنی بر کفر ہیں، ان میں سے کوئی ویلیو نیوٹرل نہیں ہے لہٰذا انہیں اسلامی جامہ نہیں پہنایا جاسکتا اور نہ ان کی اسلامائزیشن ممکن ہے خواہ وہ جمہوریت ہو، ریاست ہو، انقلاب ہو، سوشلزم ہو، بنکنگ ہو وغیر ذلک۔ درحقیقت ایک پیراڈائم کی اصطلاحات کا دوسرے پیراڈائم کی زبان میں ترجمہ ممکن ہی نہیں۔ محض اسلامی ٹیگ دینے سے یہ اسلامی نہیں ہوجاتے۔

* یہودیت و نصرانیت کو قرآن حکیم نے واضح طور پر کئی جگہ کفر کہا ہے۔ اور مغربی فکر و تہذیب بھی اپنے فکری منابع (ہیومنزم، سیکولرزم، لبرل ازم، کیپٹل ازم، ایمپریسزم وغیرہ) کی وجہ سے مبنی بر کفر و شرک ہے لہٰذا وہ دونوں کفر ہیں اور ان کو اسلام میں ضم کیا جاسکتا ہے اور نہ ان کی اسلام سے تلفیق کی جاسکتی ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر: ۵۱)

اسلام اور مغرب سعودی فتویٰ کمیٹی

مذاہب کا اتحاد اور ابراہیمی ہاؤس کا قیام غیر شرعی ہے

سعودی عرب کی مستقل فتویٰ کمیٹی برائے علمی تحقیق وافتاء نے ''مذاہب کے اتحاد'' اور ''ابراہیمی ہاؤس'' کے متعلق پائے جانے والے اختلافات کو ختم کرتے ہوئے درج ذیل فتویٰ جاری کیا ہے:

مستقل فتویٰ کمیٹی کا فتویٰ: فتویٰ نمبر 19402

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور درود وسلام ہو اُن پر جن کے بعد کوئی نبی نہیں، اور ان کے اہلِ بیت وصحابہ اور جو ان کے طریقے پر چلتے رہے قیامت تک۔ بعد ازاں......''

مستقل کمیٹی برائے علمی تحقیق وافتاء نے ان سوالات اور میڈیا میں شائع مضامین کا جائزہ لیا جو مذاہب کے اتحاد (اسلام، یہودیت، اور عیسائیت) کے بارے میں پیش کیے گئے، جن میں یہ تجویز دی گئی کہ ایک ہی جگہ مسجد، چرچ، اور مندر بنائے جائیں یا قرآن، تورات اور انجیل کو ایک ہی جلد میں شائع کیا جائے۔ اس مسئلے پر غور کے بعد کمیٹی نے درج ذیل فیصلہ کیا:

۱۔ اسلامی عقیدے کی بنیاد یہ ہے کہ اسلام کے علاوہ کوئی اور دین حق نہیں ہے، اور یہ آخری دین ہے جو تمام سابقہ مذاہب اور شریعتوں کو منسوخ کر چکا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ [آل عمران ۳: ۱۹] ''بیشک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔''

۲۔ قرآن مجید اللہ کی آخری کتاب ہے اور اس نے تورات، زبور، انجیل اور دیگر کتب کو منسوخ کر دیا ہے۔

۳۔ تورات اور انجیل کے منسوخ ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں تحریف بھی کی گئی ہے، جیسا کہ قرآن کی آیات میں ذکر ہے۔

۴۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

۵۔ جو کوئی اسلام قبول نہ کرے، خواہ وہ یہودی، عیسائی یا کوئی اور ہو، وہ کافر ہے اور اللہ کا دشمن ہے، اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو وہ جہنم کا مستحق ہے۔

۶۔ مذاہب کے اتحاد کی دعوت ایک فتنہ انگیز اور مکارانہ سازش ہے جس کا مقصد اسلام کو کمزور کرنا اور مسلمانوں کو مرتد کرنا ہے۔

۷۔ اس دعوت کا ایک اثر یہ ہوگا کہ اسلام اور کفر کے درمیان فرق ختم ہو جائے گا اور مسلمانوں کا کفار کے ساتھ بیزاری کا رویہ ختم ہو جائے گا، جس سے جہاد اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی جدوجہد بھی ختم ہو جائے گی۔

۸۔ اگر کوئی مسلمان اس دعوت کو فروغ دے تو وہ دینِ اسلام سے مرتد ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دعوت اسلام کے اصولوں کے منافی ہے۔

۹۔ مسلمان کے لیے اس دعوت کی حمایت کرنا، اس کے سیمینارز میں شرکت کرنا یا اس کے خیالات کو پھیلانا جائز نہیں۔

قرآن، تورات اور انجیل کو ایک ہی جلد میں شائع کرنا یا مسجد، چرچ اور مندر کو ایک جگہ بنانا ناجائز ہے، کیونکہ یہ اسلام کی برتری کو مسترد کرنے کے مترادف ہے۔

اللہ اس فیصلے کو کمیٹی کے لیے اجر کا ذریعہ بنائے، آمین۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔

بقیہ: پاکستانی جامعات میں پنپتی نئی تحقیقی روایت

نرگسیت کے عارضے میں مبتلا اور شہرت کے بھوکے ان پروفیسروں کی برپا کردہ ''نئی علمی وادبی روایت'' کا ذکر چھڑ جاتا ہے تو ایسے میں ذہن سطورِ بالا میں مذکور اردو ادبیات کے سچے اور پختہ کار محققین کے علمی وادبی کارناموں اور ان کے اسلوبِ حیات کی طرف بھی منتقل ہو جاتا ہے اور آل احمد سرور کا یہ شعر یاد آ جاتا ہے ۔

کل اسی بستی میں کچھ اہلِ وفا ہوتے تو تھے
اِس قدر اہلِ ہوس کی گرم بازاری نہ تھی

فقہ وقانون

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین
سیکرٹری جنرل ملی مجلس شرعی

نکاح کی عمر کے حوالے سے
حکومتی قانون غیر اسلامی ہے
ملی مجلس شرعی کے علماء کرام کا مؤقف

اسلامی نظریاتی کونسل اور دیگر علماء کرام کے اس مؤقف کے باوجود کہ نکاح کی عمر کے تعین کے حوالے سے حکومتی بل کے مشمولات غیر اسلامی ہیں، صدر زرداری نے اسمبلی اور سینیٹ کے پاس کردہ بل پر دستخط کر کے اسے قانون بنا دیا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس بل کے پاس کرنے میں پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ کے ساتھ پی ٹی آئی کے افراد بھی شامل تھے اور سوائے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی جمعیت علماء اسلام کے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ اس سے واضح ہے کہ پاکستان کی ساری سیاسی جماعتیں سیکولر اور لبرل ہیں اور وہ مغرب کے اشارۂ ابرو پر غیر اسلامی قانون سازی کرنے میں ذرا بھی نہیں ہچکچاتیں۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ اس قانون سازی کی محرک عدلیہ ہے۔ ۲۰۲۲ء میں اسلام آباد ہائی کورٹ کے جج جناب بابر ستار نے ایک ۱۵ سالہ مسلمان بالغ لڑکی کے نکاح کو (جس نے والدین کی بجائے اپنی مرضی سے نکاح کیا تھا) غیر قانونی قرار دے کر اسے 'زنا' قرار دیا تھا اس اصول پر کہ لڑکی کی عمر ۱۸ سال سے کم تھی۔ جبکہ پاکستان کے سول اور فوجداری قانون میں مطلوب عمر ۱۸ سال ہے اور مغربی ممالک میں بھی شادی کی عمر ۱۸ سال ہے لہٰذا جج صاحب نے حکومت کو بھی حکم دیا کہ وہ اس پر قانون سازی کرے۔ دینی جماعتیں تو سوتی رہتی ہیں لیکن اسلام مخالف مغربی ممالک کی فنڈ ڈاین جی اوز ایسے معاملات میں جاگتی رہتی ہیں چنانچہ انہوں نے اس بات کا پیچھا کیا۔ عمران حکومت میں شیریں مزاری نے اس طرح کے بل کی حمایت کی اور موجودہ حکومت میں پیپلز پارٹی کی سینیٹر شیری رحمٰن نے اس بل کو پاس کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ زیادہ مخالفت نہ ہونے کی وجہ سے بل دونوں ایوانوں میں بسہولت پاس ہو گیا اور پیپلز پارٹی کے صدر نے اس کی منظوری دینے میں ذرا بھی دیر نہیں کی اور فوراً اسے منظور کر لیا، اس

کے باوجود کہ ریاست کا سرکاری مذہبی ادارہ' اسلامی نظریاتی کونسل' اسے خلافِ اسلام قرار دے چکا تھا اور ملک کے دیگر دینی حلقے بھی اسے خلاف شریعت قرار دے رہے تھے۔

جب جسٹس بابر ستار صاحب نے یہ خلاف شریعت فیصلہ دیا تھا تو اس وقت ملی مجلس شرعی کے صدر مولانا زاہد الراشدی صاحب نے اس فیصلے پر غور کے لیے مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی تھی:

۱۔ مولانا مفتی شاہد عبید (درس نظامی و تخصص فی الافتاء) چیف مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور

۲۔ حافظ ڈاکٹر حسن مدنی (درس نظامی و پی ایچ ڈی) جامعہ لاہور الاسلامیہ

۳۔ حافظ محمد عمران طحاوی (درس نظامی و پی ایچ ڈی سکالر) جامعہ تعلیم القرآن، لاہور

۴۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد امین (پی ایچ ڈی فقہ و اصول فقہ) ڈائریکٹر صفا اسلامک سنٹر لاہور

۵۔ سیدہ عظمیٰ گیلانی (ایل ایل ایم) ایڈوکیٹ لاہور ہائی کورٹ

اس کمیٹی نے طویل غور وخوض کے بعد جسٹس بابر ستار کے فیصلے کو خلاف شریعت قرار دیا اور یہ رائے اُس وقت بھی پریس کو اور متعلقہ عدالتی وحکومتی حلقوں کو بھجوائی گئی تھی۔ ہم ملی مجلس شرعی کے اُس فیصلے کو ذرا وضاحت سے درج ذیل سطور میں پیش کرتے ہیں تاکہ معاملہ قارئین کے سامنے واضح ہو جائے۔

کمیٹی کی رائے یہ تھی کہ چونکہ معاملہ اجتہادی ہے زمان ومکان کے تغیر اور حالات کے بدل جانے سے حکم شرعی اجتہادی بدل سکتا ہے لہٰذا سلطان (حکومت) کہ یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس معاملے میں غور و تدبر کے بعد کوئی رائے قائم کرے (اور چونکہ ارکان اسمبلی اور ارکان سینیٹ میں شرعی اجتہاد کرنے کی صلاحیت نہیں پائی جاتی لہٰذا وہ اسلامی نظریاتی کونسل یا علماء کرام کے مشورے سے قانون سازی کر سکتی ہے)۔ لہٰذا اگر حکومت یہ فیصلہ کرے کہ نکاح یا بلوغت کی عمر پاکستان میں ۱۸ سال ہے تو ایسا قانون بنانا جائز ہے لیکن اس بات کو شرعی لحاظ سے قابل قبول بنانے کے لیے اس قانون میں تین استثناءات (Exceptions) رکھے جانے ضروری ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ والدین اگر چاہیں کہ وہ بوجوہ ۱۸ سال سے کم اپنی لڑکی کا نکاح کریں تو وہ فیملی کورٹ کی اجازت سے ایسا کرسکتے ہیں (یہ رعایت بہت سے مغربی ممالک اور بعض امریکی ریاستوں کے قانون میں بھی موجود ہے لہٰذا پاکستان میں اس استثناء کی منظوری مشکل نہیں ہونی چاہیے)۔

۲۔ والدین اگر چاہیں کہ اپنے بچے یا بچی کا نکاح ۱۸ سال کی عمر سے پہلے کریں تو وہ نکاح صحیح ہوگا لیکن رخصتی بہرحال ۱۸ سال کی عمر سے پہلے نہیں ہوگی۔ نیز لڑکے اور لڑکی دونوں کو اختیار ہوگا کہ وہ ۱۸ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد اس نکاح کو فسخ کردے۔ والدین کو بچے یا بچی کی ایما کے بغیر رخصتی کا حق نہ ہوگا۔

۳۔ اگر کسی بچی کے ۱۸ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد والدین اس کا نکاح نہ کریں جبکہ وہ کرنا چاہتی ہو تو وہ فیملی عدالت سے رجوع کرسکتی ہے تاکہ اُسے نکاح کی اجازت دی جائے۔ نیز والدین کو کسی بچی کی مرضی کے بغیر زبردستی کسی جگہ نکاح کرنے کی اجازت نہ ہوگی اور اس اصول کی مخالفت کی صورت میں بھی بچی عدالت سے رجوع کرکے اس کی مدد لے سکتی ہے۔

۴۔ فیملی جج کی اہلیت کے بارے میں بھی کمیٹی نے بعض تجاویز دیں مثلاً یہ کہ متعلقہ جج ۳۵ سالہ شادی شدہ مرد ہو، اسے دس سالہ عدالتی تجربہ حاصل ہو نیز اس نے قانون کی ڈگری کے علاوہ فیملی لاز میں ایک سالہ خصوصی ڈپلومہ بھی لے رکھا ہو (حکومت لاء کالجوں میں اس ڈپلومہ کا آغاز کرے، جس میں اسلام کا فیملی لاء بھی پڑھایا جائے)۔

گویا کمیٹی کی رائے یہ تھی کہ اگر ان تین استثناءات کو قانون کا حصہ بنا دیا جائے تو لڑکی کی نکاح کی عمر ۱۸ سال مقرر کرنا جائز ہوگا۔ لیکن اگر ان استثناءات کو قانون کا حصہ نہ بنایا جائے اور صرف اتنا قانون پاس کردیا جائے کہ لڑکی کی عمر نکاح کے وقت لازماً ۱۸ سال ہوگی ورنہ والدین اور نکاح خواں کو سزا دی جائے گی جیسا کہ موجود حکومتی ایکٹ میں ہے کہ اگر والدین اپنی ۱۸ سال سے کم عمر لڑکی کا نکاح پڑھوائیں گے تو وہ ۲ سے ۳ سال کی قید کی سزا کے مستوجب ہوں گے اور نکاح خواں ایک سال قید کی سزا کا مستوجب ہوگا اور جو شخص کسی لڑکی کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر کرائے تو اسے ۷ سال کی قید کی سزا دی جائے گی۔ یہ ساری باتیں

خلافِ شریعت ہیں لہٰذا نا قابل قبول ہیں۔

ہم حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس ایکٹ کا گزٹ نوٹیفکیشن جاری نہ کرے اور اسے اسلامی نظریاتی کونسل کے پاس رائے دینے کے لیے بھجوا دے بلکہ وہ اسے پبلک میں رائے عامہ جاننے کے لیے بھی مشتہر کرے۔ ہم دینی قوتوں اور جماعتوں سے بھی درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس قانون کے غیر اسلامی ہونے کی وجہ سے اسے اعلیٰ عدالتوں میں چیلنج کریں اور اس قانون کے خلاف رائے عامہ کو متحرک کریں تا کہ رائے عامہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس قانون پر عمل درآمد روک دیا جائے۔ دینی قوتوں نے تساہل برتا تو ایوب خاں کے بنائے ہوئے ۱۹۶۱ء کے عائلی قوانین غیر اسلامی ہونے کے باوجود رائج ہو گئے اور اس وقت بھی انہی پر عمل ہوتا ہے اگر چہ ان کی وجہ سے مسلم عائلی زندگی اسلامی لحاظ سے انتشار کا شکار ہے اور بہت سے کام غیر شرعی انداز میں ہو رہے ہیں۔ اسی طرح اگر اب بھی دینی قوتیں متحد ہو کر متحرک نہ ہوئیں تو یہ غیر اسلامی قانون بھی نافذ ہو جائے گا اگر چہ اس سے اسلام کے عائلی نظام کو سخت زِک پہنچے گی اور پاکستان میں قوانین کے اسلامی ہونے کے تصور کو بھی شدید نقصان پہنچے گا۔

بقیہ: تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو؟

چین کا موقف ہے کہ امریکا کسی بھی اخلاقی مقام سے بات کرنے کے اہل نہیں، کیونکہ خود اس کا ماضی اور حال انسانی حقوق کی پامالیوں اور عالمی جارحیت سے بھرا پڑا ہے۔

چین نے اس فہرست کو جاری کر کے ایک وسیع تر پیغام دیا:

''دنیا کو یاد رکھنا چاہیے کہ کون اصل خطرہ ہے۔ مغربی میڈیا اور حکومتیں منافقت سے کام لیتے ہیں، اور جب امریکا قتل عام کرتا ہے تو وہ خاموش رہتے ہیں۔''

یہ اقدام صرف سفارتی یا معلوماتی نہیں، بلکہ سیاسی جواب اور اخلاقی چارج شیٹ بھی ہے امریکا اور اس کے اتحادیوں کی جانب سے جاری یک طرفہ بیانیے کے خلاف۔

تفہیم مغرب

ابراہیم تراورے
صدر برکینا فاسو۔افریقہ

مغرب، افریقہ کا استحصال کس طرح کر رہا ہے؟

ابراہیم تروارے کا تاریخی خطاب

مَیں چونتیس سال کا ہوں۔ مَیں نے اپنی زندگی کا ہر دن تمہارے جھوٹوں میں گزارا ہے۔ بچپن میں، میں ٹی وی پر افریقہ دیکھا کرتا تھا۔ ہمیشہ ایک جیسی تصویریں: مکھیوں سے گھرے ہوئے بچے، خشک زمینیں، ہتھیار، موت، بھوک، مایوسی......یہی ہے افریقہ؟

تم نے ہمیں بتایا کہ افریقہ ایسا ہی ہوتا ہے، اور ہم نے مان لیا۔ ہمیں اپنے آپ پر شرم آنے لگی۔ ہمیں اپنی سرزمین سے، اپنے لوگوں سے شرم آنے لگی۔

لیکن پھر مَیں بڑا ہوا، مَیں نے پڑھا، تحقیق کی، سوالات کیے اور مجھے یہ سمجھ آیا کہ جو افریقہ تم نے ہمیں دکھایا وہ حقیقی نہیں تھا۔ جو کہانی تم نے ہمیں سنائی، وہ ایک جھوٹ تھا۔ جو تقدیر تم نے ہمارے لیے لکھی، وہ ایک سکرپٹ تھی جو تم نے کئی سال پہلے تحریر کر لی تھی۔ تم نے افریقہ کو کیسے دکھایا؟ کیسے بیچا؟ یوں جیسے ہم انسان ہی نہ ہوں، جیسے ہم کسی جنگل کے جانور ہوں، جیسے ہم تمہارے رحم و کرم پر بے بس پڑے ہوں۔ ہر دن، ہر لمحہ، ہر گھنٹہ تمہاری اسکرین پر ایک ہی کہانی: بھوک، جنگ، بیماری، بدعنوانی، دہشت، انتشار۔ جب کوئی ''افریقہ'' کہتا ہے تو تمہاری لغت میں کوئی اور لفظ نہیں ہوتا......نہ امید، نہ کامیابی، نہ ترقی، نہ مزاحمت، نہ عزت، نہ فخر، نہ فتح۔

تو مَیں تم سے سوال کرتا ہوں۔ اے نیویارک ٹائمز، واشنگٹن پوسٹ، دی گارڈین، لی مانڈے۔ کیا کبھی تم نے افریقہ کی کامیابی کو اپنی سرخی بنایا؟ کتنی بار تم نے روانڈا کی ٹیکنالوجی انقلاب پر لکھا؟ کتنی بار تم نے ایتھوپیا کے پائیدار ترقیاتی منصوبوں کو دکھایا؟ کتنی بار تم نے بوٹسوانا کی کامیابی کی تعریف کی؟ کتنی بار تم نے کینیا کے کاروباری نوجوانوں کی کہانی سنائی؟ نہیں، کیونکہ یہ سب تمہاری سکرپٹ میں فٹ نہیں بیٹھتا۔ تمہاری افریقہ کی کہانی میں افریقہ کامیاب ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر افریقہ کو مدد کی ضرورت نہیں، تو تم دخل اندازی کیسے کرو گے؟ اگر ہم پسماندہ نہیں، تو تم ہمیں نیچا کیسے دکھاؤ گے؟ کیا تمہارے کسی ایڈیٹر، کسی رپورٹر نے کبھی یہ سوچا کہ

دنیا کی سب سے امیر زمینوں پر بسنے والے لوگ غریب کیوں ہیں؟ تو لیجیے، اصل اعداد وشمار:

* دنیا کا 70 فیصد کوبالٹ افریقہ کے پاس ہے۔تمہارے موبائل، لیپ ٹاپ، الیکٹرک کاریں اس کے بغیر نہیں چل سکتیں۔ یہ کوبالٹ آتا ہے کانگو سے، لیکن وہاں کے لوگ موبائل نہیں خرید سکتے۔

* دنیا کا 90 فیصد پلاٹینم افریقہ کے پاس ہے جنوبی افریقہ کے لیکن وہاں کے لوگ بیروزگاری کی مار جھیل رہے ہیں۔

* 30 فیصد سونا مالی، برکینا فاسو، گھانا، تنزانیہ سے۔ وہاں سونا ندیوں کی طرح بہتا ہے، مگر لوگ غربت میں ڈوبے رہتے ہیں۔

* 65 فیصد ہیرے بوٹسوانا، انگولا، کانگو، سیرالیون سے۔ وہاں سے اربوں ڈالر کے ہیرے نکالے جاتے ہیں، مگر افریقی مزدور دن میں ایک ڈالر کماتے ہیں۔

* 35 فیصد یورینیم نائجر، نامیبیا، جنوبی افریقہ سے۔ پیرس کی روشنیاں ہمارے یورینیم سے چمکتی ہیں لیکن ہمارے دیہات میں اندھیرا ہے اور تم پوچھتے ہو افریقہ غریب کیوں ہے؟

سوال یہ ہونا چاہیے کہ افریقہ اتنا امیر ہو کر بھی غریب کیسے رکھا گیا؟

جواب یہ ہے کہ نوآبادیات (New Colonialism) کبھی ختم نہیں ہوئی، اس نے صرف شکل بدلی۔ پہلے تم ہمارے ملکوں پر قبضہ کرتے تھے، اب تم کمپنیاں کھولتے ہو۔ پہلے تم زبردستی لیتے تھے، اب ''معاہدے'' کرواتے ہو۔ پہلے تم کوڑوں سے حکومت کرتے تھے، اب قرض دے کر غلامی کرواتے ہو۔ اب مَیں تمہیں تاریخ، نام، اعداد وشمار دیتا ہوں:

Glencore سوئٹزرلینڈ کی کمپنی کوبالٹ نکالتی ہے کانگو سے، 2022 میں کمائی 256 ارب ڈالر، ٹیکس دیا 500 ملین یعنی صرف 2 فیصد۔ کیا یہی انصاف ہے؟

Rio Tinto: برٹش آسٹریلین کمپنی، گنی میں باکسائٹ نکالتی ہے...... ہر سال 20 ملین ٹن! گنی کو کیا ملا؟ آلودگی اور کینسر؟

Total Energies: فرانسیسی کمپنی انگولا، نائجیریا، کانگو میں تیل نکالتی ہے۔ 2022ء میں منافع 36 ارب ڈالر۔ افریقہ میں چھوڑیں صرف زنگ آلود پائپ لائنیں؟

Anglo American: جنوبی افریقہ سے شروع ہوئی، اب لندن میں ہے۔ ہیرے، پلاٹینم، لوہا سب لے گئے اور پیچھے چھوڑ گئے 60 لاکھ بے روزگار مزدور۔

یہ تو صرف برف کی نوک ہے باقی کیا؟ چھپے ہوئے سودے، خفیہ بینک اکاؤنٹس، ٹیکس کی چالاکیاں؟ ہر سال 88 ارب ڈالر غیر قانونی طور سے افریقہ سے باہر جاتا ہے۔ تم کہتے ہو 45 ارب ڈالر کی امداد دیتے ہو، مگر کوئی یہ نہیں لکھتا کہ افریقہ امداد لینے والا نہیں، بلکہ دینے والا ہے۔ تم کیمرہ زوم کرتے ہو بھوکے پیٹوں پر، جبکہ پردے کے پیچھے روزانہ ٹنوں کے حساب سے سونا، ہیرا، تیل، یورینیم افریقہ سے نکلتا ہے۔

یہ ہے تمہارا نظام: بدعنوانی پھیلاؤ، لیڈروں کو رشوت دو، ان کے اکاؤنٹ کھولو، ان کے بچوں کو اپنی یونیورسٹیوں میں داخلہ دو۔ سودے کرو 50 یا 99 سال کے معاہدے، ٹیکس سے استثناء، ماحولیاتی اور لیبر قوانین کی پامالی۔ انفراسٹرکچر پر قبضہ۔ بندرگاہیں، ہوائی اڈے، ریلوے صرف کان سے بندرگاہ تک۔ دیہات تک سڑک نہیں، اسکولوں میں بجلی نہیں۔ حفاظت: دو پرائیویٹ سکیورٹی کمپنیاں، ہتھیار دو: احتجاج کو دہشت گردی قرار دو۔ میڈیا کو خاموش کرو: مقامی صحافی خریدو، اختلافی آوازیں دباؤ، غیر ملکی میڈیا کو صرف افراتفری دکھاؤ۔

یہ نظام 100 سال سے چل رہا ہے، اور تم اسے دیکھنا نہیں چاہتے، کیونکہ تم خود اس کا حصہ ہو۔

بقیہ: ریاست کی اسلامائزیشن

یہ محض علمی بحث نہیں۔ اسے اگر اجتہاد کہا جائے تو بھی اس اجتہاد کا غلط ہونا عملاً ثابت ہو چکا کیونکہ 'اسلامی جمہوریت' سے پاکستان میں اسلام نہیں آیا عملاً مغربی اقدار غالب آ گئی ہیں۔ اسلامی بینکنگ اور کنونشنل بینکنگ میں بھی عملاً کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا۔

* ہمیں اصولی طور پر ڈاکٹر عثمان صاحب کے مؤقف سے اتفاق ہے۔ جن نظریات پر وہ تنقید کر رہے ہیں، ان کے حامل کراچی کے بزرگ دانشور ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری صاحب اور ان کے ہم خیال احباب ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ ڈاکٹر عثمان صاحب کو جواب دے کر مطمئن کریں۔

تفہیم مغرب ادارہ

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں

دنیا میں فحاشی کے لحاظ سے سرفہرست دس ممالک کا مذہب:

۱۔ تھائی لینڈ۔(بدھ مت) ۲۔ ڈنمارک۔(عیسائیت)
۳۔ اٹلی۔(عیسائیت) ۴۔ جرمنی۔(عیسائیت)
۵۔ فرانس۔(عیسائیت) ۶۔ ناروے۔(عیسائیت)
۷۔ بلجیم۔(عیسائیت) ۸۔ اسپین۔(عیسائیت)
۹۔ برطانیہ۔(عیسائیت) ۱۰۔ فن لینڈ۔(عیسائیت)

دنیا میں چوری کی شرح کے لحاظ سے سرفہرست دس ممالک کا مذہب:

۱۔ ڈنمارک اور فن لینڈ۔(عیسائیت) ۲۔ زمبابوے۔(عیسائیت)
۳۔ آسٹریلیا۔(عیسائیت) ۴۔ کینیڈا۔(عیسائیت)
۵۔ نیوزی لینڈ۔(عیسائیت) ۶۔ بھارت۔(ہندومت)
۷۔ انگلینڈ اور ویلز۔(عیسائیت) ۸۔ امریکا۔(عیسائیت)
۹۔ سویڈن۔(عیسائیت) ۱۰۔ جنوبی افریقہ۔(عیسائیت)

دنیا میں شراب نوشی کی شرح کے لحاظ سے سرفہرست دس ممالک کے مذاہب:

۱۔ مالڈووا۔(عیسائیت) ۲۔ بیلاروس۔(عیسائیت)
۳۔ لیتھوینیا۔(عیسائیت) ۴۔ روس۔(عیسائیت)
۵۔ چیک ریپبلک۔(عیسائیت) ۶۔ یوکرین۔(عیسائیت)
۷۔ انڈورا۔(عیسائیت) ۸۔ رومانیہ۔(عیسائیت)
۹۔ سربیا۔(عیسائیت) ۱۰۔ آسٹریلیا۔(عیسائیت)

دنیا میں قتل کی بلند شرح والے دس ممالک اور ان کے مذاہب:

۱۔ ہونڈوراس۔(عیسائیت) ۲۔ وینزویلا۔(عیسائیت)

۳۔ بیلیز۔(عیسائیت) ۴۔ ایل سلواڈور۔(عیسائیت)
۵۔ گوئٹے مالا۔(عیسائیت) ۶۔ جنوبی افریقہ۔(عیسائیت)
۷۔ سینٹ کٹس۔(عیسائیت) ۸۔ بہاماس۔(عیسائیت)
۹۔ لیسوتھو۔(عیسائیت) ۱۰۔ جمیکا۔(عیسائیت)

دنیا کی چھ خطرناک ترین گینگوں کی مذہبی شناخت:

۱۔ یاکوزا۔جاپان (لامذہبی) ۲۔ اگبیرس۔نائجیریا (عیسائیت)
۳۔ واہ سینگ ڈو۔ہانگ کانگ/چین (بدھ مت)
۴۔ جمیکابوس۔جمیکا (عیسائیت) ۵۔ پی سی سی۔برازیل (عیسائیت)
۶۔ آرین برادرہڈ۔امریکا (انتہاپسند سفید فام عیسائیت)

دنیا کے سب سے بڑے منشیات فروشوں کی قومیت اور مذہب:

۱۔ پابلو ایسکوبار۔کولمبیا (عیسائی) ۲۔ آمادو کاریو۔میکسیکو (عیسائی)
۳۔ کارلوس لیدر۔کولمبیا (عیسائی) ۴۔ گریسیلڈ ابلانکو۔کولمبیا (عیسائی)
۵۔ خواکین گوزمان (ال چاپو)۔میکسیکو (عیسائی)
۶۔ رافائیل کارو۔میکسیکو (عیسائی)

پھر بھی ہمیں کہا جاتا ہے کہ اسلام دنیا میں دہشت گردی اور تشدد کا سبب ہے، اور ہم سے توقع کی جاتی ہے کہ ہم اس پر یقین کریں؟

پہلی عالمی جنگ مسلمانوں نے شروع نہیں کی، بلکہ یہ مغربی سیکولر عیسائیوں کی پیدا کردہ تھی۔ مسلمانوں نے دوسری عالمی جنگ بھی شروع نہیں کی، وہ بھی مغرب ہی نے بھڑکائی۔ آسٹریلیا کے بیس ملین مقامی باشندوں کا قتل مسلمانوں نے نہیں کیا، بلکہ وہ لوگ تھے جو ''محبت کے دین'' کے پیروکار تھے۔

جاپان کے دوشہروں (ہیروشیما اور ناگاساکی) پر ایٹمی بم گرانے والے بھی مسلمان نہیں تھے۔ جنوبی امریکا میں ایک کروڑ سے زائد ریڈ انڈینز کے قاتل بھی مسلمان نہیں تھے بلکہ ''امن کا پیغام'' لے کر آئے ہوئے عیسائی مبلغ تھے۔

شمالی امریکا میں پانچ کروڑ ریڈ انڈینز کا قتل بھی مسلمانوں نے نہیں کیا۔افریقہ سے 18 کروڑ افراد کو غلام بنا کر لے جانے والے بھی مسلمان نہیں تھے بلکہ وہی تھے جو آزادی اور لبرل ازم کے نعرے لگاتے ہیں۔

مسلمان دہشت گرد نہیں۔ بلکہ دہشت گردی کی تعریف ہی مغرب کی طرف سے امتیازی اور جانبدار ہے۔اگر کوئی غیر مسلم حملہ کرے تو وہ ایک ''انفرادی جرم'' کہلاتا ہے لیکن اگر کوئی مسلمان کسی حملے میں ملوث ہو، تو اُسے فوراً دہشت گردی قرار دے دیا جاتا ہے۔ چاہے وہ اپنے دین اور امت کے دفاع میں ہی کیوں نہ ہو۔ ایف بی آئی کے سرکاری اعداد وشمار کے مطابق 1980 سے 2005 کے درمیان امریکا میں ہونے والے حملوں میں صرف 6 فیصد حملے مسلمانوں سے منسوب تھے جبکہ یہودیوں سے 7 فیصد لیکن ان پر میڈیا نے کبھی توجہ نہیں دی۔ لہٰذا ہمیں دوہرے معیارات چھوڑنے ہوں گے۔تبھی ہم اسلام کی اخلاقی بلندی اور عدل کو دنیا کے سامنے درست انداز میں پیش کر سکیں گے۔

اس پیغام کو خود تک محدود نہ رکھیں، اس سچائی کو دوسروں تک بھی پہنچائیں کیونکہ میڈیا کی طاقت، دولت اور مفاد پرستی نے اسلام کی تصویر کو مسخ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ہماری ہی قوم کے کچھ منافق اس مہم کا حصہ بن چکے ہیں، یہ دراصل اسلام کے خلاف ایک جنگ ہے اور ہم پر فرض ہے کہ ہم اپنے لوگوں کو اس حقیقت سے خبردار کریں۔ جتنے ممکن ہوں اور جتنے وسائل ہمارے پاس ہوں اور آخر میں فخر سے کہیں:

''مَیں مسلمان ہوں۔ مجھے اپنے دین پر فخر ہے اور اپنی امت اور اس کی جدوجہد پر مجھے ناز ہے۔''

اور اللہ کے محبوب نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنا نہ بھولیں۔

تفہیم مغرب ادارہ

تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو؟

امریکہ جنگجو بھی ہے اور دہشت گرد بھی

ماسکو کے چینی سفارت خانے نے ان ممالک کی فہرست شائع کی ہے، جن پر جنگِ عظیم دوم کے بعد امریکا نے بمباری کی:

جاپان: 6 اور 9 اگست 1945ء کوریا اور چین :(1953–1950ء جنگِ کوریا)

گواتی مالا: 1969–1967، 1960، 1954ء

انڈونیشیا: 1958ء کیوبا: 1961–1959ء

کانگو: 1964ء لاؤس: 1973–1964ء

ویتنام: 1973–1961ء کمبوڈیا: 1970–1969ء

گرینا ڈا: 1983ء لبنان: 1983، 1984ء (لبنان اور شام میں اہداف پر حملے)

لیبیا: 1986، 2011، 2015ء ایل سلواڈور: 1980ء

نکاراگوا: 1980ء ایران: 1987ء پاناما: 1989ء

عراق: (1991 خلیجی جنگ) 2003–1991 ،(امریکی و برطانوی حملے ، 2015–2003ء

کویت: 1991ء صومالیہ: 2011، 2008-2007، 1993

بوسنیا: 1994، 1995ء سوڈان: 1998ء

افغانستان: 2015-2001، 1998ء یوگوسلاویہ: 1999ء

یمن: 2011، 2009، 2002ء پاکستان: 2015-2007ء

شام :- 2015-2014ء

یہ فہرست 20 سے زائد ممالک پر مشتمل ہے۔ چین نے زور دیا ہے کہ ''ہمیں کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ دنیا کے لیے اصل خطرہ کون ہے۔''

پھر سوال اُٹھتا ہے:

کیا کبھی مغربی معاشرے نے امریکا پر برہمی ظاہر کی؟

کیا کبھی اس کے خلاف زوردار آوازیں بلند ہوئیں؟

کیا کسی ایک بار بھی امریکا پر پابندیاں عائد ہوئیں؟

یہ پورا دنیاوی نظام، جسے ہم ''بین الاقوامی برادری'' کہتے ہیں، خاموش تماشائی بنا بیٹھا ہے، جبکہ امریکا دنیا بھر کے ممالک پر ڈاکوؤں کی طرح حملہ آور ہو کر ان کے خوابوں کو بھی خوفناک کابوس میں بدل دیتا ہے۔

نہ کوئی مذمت، نہ کوئی سرزنش، نہ کسی قسم کی ناراضگی۔

ایک بزدل، بے شرم، اور منافق عالمی ضمیر۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس فہرست کو ہر ممکن پلیٹ فارم پر بار بار نشر کیا جائے۔ ایسی ویڈیوز بنائی جائیں جو ان تمام مغربی منافقوں کو بے نقاب کریں اور امریکا کے ہاتھوں دنیا بھر میں ہونے والے جرائم کی ہر حقیقت یاد دلاتی رہیں۔

چینی سفارتخانے کی جانب سے یہ فہرست سفارتِ چین برائے روس (ماسکو) نے ایک سیاسی اور اخلاقی پیغام کے طور پر اُس وقت جاری کی جب عالمی میڈیا اور مغربی ممالک ایران کی جانب سے اسرائیل پر کیے گئے حملے کی شدید مذمت کر رہے تھے، لیکن خود امریکا کے ماضی کو مکمل نظر انداز کیا جا رہا تھا۔

یہ فہرست اس دوہرے معیار (double standards) کو بے نقاب کرنے کے لیے شائع کی گئی، جو امریکا اور مغرب انسانی حقوق، بین الاقوامی قانون اور عالمی سلامتی کے معاملات میں اپناتے ہیں۔

جب ایران نے اسرائیل پر جوابی حملہ کیا تو امریکا اور اس کے اتحادیوں نے ایران کو ''عالمی خطرہ'' قرار دینا شروع کر دیا۔ چینی سفارتخانے نے اس تنقیدی مہم کے جواب میں یہ فہرست جاری کی تاکہ یاد دلایا جا سکے کہ حقیقی خطرہ وہ ملک ہے جس نے جنگِ عظیم دوم کے بعد 30 سے زائد ممالک پر بمباری کی ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر: ۴۸)

عالمِ اسلام ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

پاکستان اور افغانستان

چند دن پہلے پاکستانی آرمی چیف کی ایسے وقت میں امریکہ میں ملاقات ہوئی جب امریکہ مسلمانوں (فلسطین وایران) کو تباہ وبرباد کرنے میں اسرائیل کی مکمل اور مسلسل مدد کر رہا ہے، جوابا امتِ مسلمہ مضبوط ترین مسلم فوجی طاقت پاکستان کی طرف دیکھ رہی ہے۔

کفر اور اسلام کے دو طاقتور ترین لیڈروں کی سنگین اور مہلک جنگ کے دوران دوستانہ ملاقات میں بہت سی نشانیاں اور عبرتیں ہیں۔ جن کی وضاحت پھر سہی۔ میرے لئے یہ خاص فکر مندی کا پہلو ہے کہ امریکہ نے دہشت گردی کی جنگ کی امداد میں اضافے کا وعدہ کر کے مسلم فوج سے افغانستان میں اپنے امریکی مفادات کے تحفظ کی ذمہ داری کی ادائیگی اور اس میں توسیع کی کمٹمنٹ کر دی ہے۔ اس کے بعد 20 سال امریکی مظالم وبربریت کو سہہ کر اس کو چار سال قبل شکست فاش دینے والے افغان مجاہدین اور مسلم طاقت پاکستان کے اختلافات اور علاقائی مسائل میں جا بجا اضافہ ہوگا۔ اور ہم نہ ختم ہونے والی امریکی دہشت گردی کی جنگ میں حسب سابق دھنستے چلے جائیں گے۔

ہم جانتے ہیں کہ پینٹا گان میں حقیقی فوج کے برابر بجٹ کو میڈیا وار اور سٹریٹجی پر بھی لگایا جاتا ہے جس سے ہماری خبروں کو گمراہ اور مسائل کو الجھا کر آپس میں ملت کو ٹکرایا جاتا ہے۔ ماضی کی طرح مستقبل میں بھی اس کے بہت سے شواہد ہمارے سامنے آتے رہیں گے۔

کیا ہمیں حیرانی نہیں ہوتی کہ ایک طرف ہم افغانستان کو بطور آزاد حکومت تو تسلیم نہیں کرتے، وہاں باقاعدہ سفارتخانہ نہیں کھولتے، امریکی دباؤ میں ان سے حکومتی باضابطہ معاملات نہیں چلاتے تو دوسری طرف خاتمۂ جنگ کے نام پر افغان مہاجرین کو اپنے گھر پلٹنے کی ڈیڈ لائینیں دے کر اشتعال انگیزی پیدا کرتے ہیں۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی جب جب امریکی ہدایات کے تابع ہوگی، ناکامی اور ذلت ہمارا مقدر بنے گی۔ اللہ تعالیٰ حدیث نبوی کے مطابق ملت اسلامیہ کو جسدِ واحد اور بنیان مرصوص بنا دے اور اس کے خلاف ہونے والے سب اقدامات یکسر غلط ہیں۔

بقیہ تدریس القرآن

اَنۡفُسُکُمۡ	اسۡتَکۡبَرۡتُمۡ	فَفَرِیۡقًا	کَذَّبۡتُمۡ	وَفَرِیۡقًا		اسۡتَکۡبَرۡتُمۡ	اکبر، تکبر، متکبر، تکبیر
تمہارے نفس کو	تکبر کیا تم نے	اور ایک گروہ کو	تم نے جھٹلا دیا	اور ایک گروہ کو		کَذَّبۡتُمۡ	تکذیب، کاذب، کذاب
کر آیا جو تمہیں پسند نہ تھا تو تم نے تکبر (سے ان کو ٹھکرا دیا) اور بعض کو جھٹلایا اور بعض (رسولوں)							
تَقۡتُلُوۡنَ ﴿87﴾	وَقَالُوۡا	قُلُوۡبُنَا	غُلۡفٌ	بَلۡ	لَّعَنَهُمُ	قُلُوۡبُنَا	قلب، قلوب، انقلاب
تم نے قتل کر دیا۔	اور انہوں نے کہا	ہمارے دل	غلافوں میں ہیں	بلکہ	لعنت کی ان پر	غُلۡفٌ	غلاف، غلافِ کعبہ
کو قتل کر دیا۔ اور وہ کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں بلکہ ان کے						لَّعَنَهُمُ	لعنت، ملعون، لعنتی
اللّٰهُ	بِکُفۡرِهِمۡ	فَقَلِیۡلًا	مَّا	یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿88﴾	وَلَمَّا	فَقَلِیۡلًا	قلیل، قلت، اقلیت
اللہ نے	بسبب ان کے کفر	پس تھوڑے ہیں	جو	ایمان لاتے ہیں۔	اور جب		
کفر کے سبب اللہ نے ان پر لعنت کی ہے اور ان میں تھوڑے ہی ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔							
جَآءَهُمۡ	کِتٰبٌ	مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ	مُصَدِّقٌ	لِّمَا	مَعَهُمۡ	مُصَدِّقٌ	تصدیق، مصدقہ ذرائع
آئی اُن کے پاس	کتاب	اللہ کی طرف سے	تصدیق کرنے والی	اس کی جو	پاس ان کے		
اور پھر جب ان کے پاس وہ کتاب آگئی (یعنی قرآن) جو ان کے پاس پہلے سے							
وَکَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ	یَسۡتَفۡتِحُوۡنَ	عَلَی الَّذِیۡنَ	کَفَرُوۡا	فَلَمَّا		یَسۡتَفۡتِحُوۡنَ	فتح، فاتح، مفتوح، فتح مکہ
اور وہ تھے پہلے سے	فتح مانگتے	ان لوگوں پر	جنہوں نے کفر کیا	پھر جب			
موجود کتاب کی تصدیق کرتی تھی حالانکہ وہ اس کے ذریعے پہلے کافروں کے مقابلے میں فتح کی							
جَآءَهُمۡ	مَّا	عَرَفُوۡا	کَفَرُوۡا	بِهٖ	فَلَعۡنَةُ	عَرَفُوۡا	عرف، تعارف، معروف
آگئی ان کے پاس	جس کو	انہوں نے پہچان لیا	انکار کیا	اس کا	پس لعنت	فَلَعۡنَةُ	لعنت، لعین، ملعون
دعا مانگتے تھے لیکن جب ان کے پاس وہ (کتاب) آگئی اور انہوں نے اسے پہچان							
اللّٰهِ	عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿89﴾						
اللہ کی	کافروں پر۔						
لیا تو اس کا انکار کر دیا۔ پس اللہ کی لعنت ہو ان کافروں پر۔							

اہم نکات

مشکل الفاظ کے معانی

۱۔ رُوۡحُ الۡقُدُسِ: لفظی معنی پاک روح۔ مراد ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام

۲۔ تَشْهَدُوْنَ : شہادت کے لفظی معنی ہیں گواہی دینا۔ جو آدمی اللہ کی راہ میں مارا جائے اسے شہید اس لیے کہتے ہیں کہ وہ گویا اپنی جان دے کر حق کی گواہی دیتا ہے۔

۳۔ غُلْفٌ: یعنی ہمارے دل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں ۔مطلب یہ کہ ہمارے دلوں پر پردہ پڑا ہے۔لہٰذا اے نبی! تمہاری باتوں کا ہمارے دل پر کوئی اثر نہیں ہوگا اور ہم تمہاری بات قبول کر ہی نہیں سکتے۔

۴۔ دِمَآءَكُمْ :لفظی معنی خون اور سانس جو زندگی کی علامت ہیں یعنی جان۔ حج میں بعض غلطیوں پر دم واجب ہو جاتا ہے یعنی ایک جان کی قربانی دینا پڑتی ہے۔

۵۔ الْبَيِّنَاتِ :کھلی نشانیاں مراد ہے معجزات یا آیات کتاب اللہ۔

مفہوم کا خلاصہ

بنی اسرائیل کا قصہ جاری ہے:

ا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے تمہیں حکم دیا تھا کہ اپنے لوگوں پر ظلم و زیادتی نہ کرو۔ نہ انہیں قتل کرو اور نہ گھروں سے نکالو۔لیکن تم یہ سب کرتے ہو اور جب یہ لوگ قیدی بن کر آتے ہیں تو انہیں فدیہ دے کر چھڑاتے ہو گویا نیکی کرنے کی کوشش کرتے ہو حالانکہ تمہارا انہیں قتل کرنا اور گھروں سے نکالنا ہی حکم الٰہی کی نافرمانی تھا۔

۲۔ جو لوگ یہ حرکت کریں کہ کتاب اللہ کے ایک حکم پر عمل کریں اور دوسرے پر نہ کریں وہ اسی قابل ہیں کہ اللہ ان کو دنیا میں بھی رسوا کرے اور آخرت میں بھی سخت عذاب دے اس لیے کہ وہ یہ حرکت کر کے دراصل دنیا کے حقیر مفادات کے عوض آخرت سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ یہ بات ہم آج کے مسلمانوں پر بھی منطبق ہوتی ہے اور یہی ہمارے زوال کا بڑا سبب ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی اور ان کے بعد بھی تم میں مسلسل انبیاء بھیجے اور (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کو واضح معجزات دے کر مبعوث فرمایا لیکن ان پیغمبروں کی تعلیمات کو تم نے اپنے حقیر دنیوی مفادات کے خلاف سمجھتے ہوئے انہیں یا تو جھٹلا دیا یا قتل کر دیا۔

۴۔ اہل یہود کو چونکہ پتا تھا کہ آخری نبی آنے والا ہے لہٰذا وہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے اہل مدینہ کو کہا کرتے تھے کہ آخری نبی آنے والا ہے جس کی مدد سے ہم تم پر غالب آجائیں گے لیکن جب آپ ﷺ تشریف لے آئے تو آپ کو پہچاننے کے باوجود انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور قرآن کو بھی جھٹلا دیا حالانکہ وہ ان پر نازل کی گئی کتب کی تصدیق کرتا تھا۔اس لیے فرمایا کہ ایسے کافر اللہ کی لعنت ہی کے مستحق ہیں۔

حاصل کردہ سبق

ا۔ مسلمانوں کو آپس میں نہیں لڑنا چاہیے، نہ انفرادی زندگی میں اور نہ اجتماعی زندگی میں۔

۲۔ ہمیں اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے کیونکہ جو کچھ ہم کرتے ہیں اللہ اسے دیکھ رہا ہوتا ہے۔

۳۔ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے، دنیاوی مفادات کے لیے دینی احکام پر عمل نہ کرنے اور دین فروشی سے بچنا چاہیے کیونکہ ان صورتوں میں اللہ تعالیٰ سخت عذاب دے گا۔

۴۔ قرآن کے بعض احکام پر عمل کرنا اور بعض پر نہ کرنا بدترین منافقت ہے۔اس سے ہر مسلمان کو بچنا چاہیے کیونکہ اس کا نتیجہ دنیا میں ناکامی اور رسوائی اور آخرت میں سخت عذاب ہے۔

outlining how a morally grounded, community-based strategy can counter its effects.

The Path Forward

The papers linked above chart my progress in understanding the links between money and power over the past few decades. A longer post entitled "Countering Financial Capitalism: An Islamic Journey Through the Hidden Architecture of Money" provides a more detailed discussion of these topics. Nonetheless the most important task remains undone: how can we use this understanding to counter financial power over the Islamic world created by the monetary institutions currently dominant. Some suggestions have been made in the two papers listed in the previous section, but a lot of work remains. Once we understand that money creation confers immense power, and that we cannot isolate ourselves from the effects of this power, there seems to be only one solution: we must create our own money. Proposals to revive the gold dinar or silver dirham aim at monetary independence, but they do not recognize the links to power and the fact that most of the world's precious metals are already held by powerful elites. Such reforms risk entrenching the very power they seek to challenge. A better alternative would be a labor-based currency, calibrated to the widespread availability of unskilled labor in many parts of the Ummah—a tragic but undeniable reality. Developing such systems requires careful analysis of local community currency models that can operate within the diverse regulatory and political contexts of the Muslim world. Also, it would be essential to link these inititiatives around the globe, so as to create the strength required to combat global Capitalism. This is the focus of my current research.

Learning from both, the third generation calls for building power from the ground up—constructing institutions that reflect Islamic values while remaining responsive to contemporary global configurations of power.

Two recent papers offer complementary third-generation strategies. The first, Monetary Imperialism and Third-Generation Islamic Economics, focuses on diagnosing the problem: how changes in the architecture of global money—especially the shift from physical to synthetic, unregulated money—have eroded the sovereignty of Muslim societies. It traces how modern imperialism operates not through armies, but through financial systems that dictate the terms of economic life. The paper offers a moral and intellectual framework for reclaiming economic agency, rooted in the Islamic tradition and oriented toward community-based resistance.

The second, Islamic Finance and Community Empowerment: A Strategic Vision for the Global Ummah (COMCEC), takes these insights further by proposing a pragmatic path forward. It argues that top-down state reforms are unlikely to succeed, given the entrenchment of Muslim governments within global financial structures. Instead, it proposes a grassroots strategy based on two institutional pillars: Islamic Financial Institutions (IFIs) committed to a “dual bottom line” of profit and service, and mosque-based Khidmat al-Jama‘ah Organizations (MKJs) that deliver community services grounded in Islamic ethics. By coordinating these structures and linking local efforts across borders, the paper envisions a decentralized, transnational network capable of rebuilding Islamic economic life from below.

Together, these two papers chart a coherent path: understanding how monetary imperialism works, and

challenge. It argues that the separation of facts from values has crippled economics, leaving it unable to grapple with core issues like justice, power, and ethical responsibility. Rather than trying to patch moral concerns onto a broken framework, the paper calls for reconstruction of economics as a moral science. Drawing on Islamic intellectual traditions, it envisions a discipline where spiritual and ethical principles are central—not peripheral. In this paradigm, monetary reform is not a technical adjustment but a moral project: one that seeks to align economic structures with divine guidance and collective well-being. An earlier paper entitled “Islam’s Gift: An Economy of Spiritual Development” also explains how we can rebuild economics on Islamic moral and spiritual foundations.

Responding to Evolving Configurations of Monetary Power

Monetary power is not static. It shifts in response to political, institutional, and technological changes. The Great Depression exposed the dangers of unregulated bank-led money creation, prompting reforms that temporarily curtailed financial excess and redistributed economic power more equitably. Later, the collapse of British dominance and the Bretton Woods agreement transferred global monetary power to the United States, establishing the dollar as the world’s reserve currency. Today, we are witnessing a new transition—from fiat money to digital and synthetic forms—further concentrating financial power and rendering Muslim-majority societies increasingly vulnerable.

Islamic economics has also undergone transformations in its attempt to cope with the dominant power of Capitalism. The first generation sought to capture state power to implement an Islamic system from the top down. The second focused on adapting Islamic finance to capitalist institutions—often compromising its ethical foundations.

technocratic illusion. The power dynamics behind fiat money would simply reassert themselves through control over gold markets and international trade systems. The problem is not the material of money, but the structures of power behind it. A more detailed exploration can be found in the Technocratic Dreams paper, but the core insight is simple: no monetary reform can succeed without addressing the politics of money creation.

Rebuilding Economics on Moral Foundations

Once we recognize the deep entanglement between money and power, another puzzle of modern economics becomes clearer: how did economics lose its moral compass? The discipline began as a branch of moral philosophy—Adam Smith himself was a moral philosopher—but today it presents itself as a value-neutral science, akin to physics. This transformation was enabled by treating money as politically neutral, a mere "veil" that can be ignored. Once power is removed from the picture, questions of justice and ethics are no longer part of the conversation—they become the invisible background. My paper on the Normative Foundations of Scarcity demonstrates how seemingly objective economic concepts conceal underlying normative foundations.

Peeling back the veil of money reveals a troubling reality. In modern economies, money is not just a medium of exchange—it becomes the ultimate measure of value. The "good society" is defined by maximum GDP, and the "good person" by maximum wealth. In such a world, those who control the creation of money wield extraordinary influence over both economic outcomes and social norms. Any serious attempt to build a just economy must begin by recognizing—and then reining in—this power.

My paper, Reclaiming Economics as a Moral Science: An Islamic Approach to Monetary Reform (2025), addresses this

majority of money in the economy simply by issuing loans. This process of money creation “out of nothing,” as even the Bank of England acknowledged in a rare moment of candor, confers immense and largely unaccountable power on financial institutions. Yet, students are trained to ignore this. The mantra that “money is a veil” teaches economists to look through it—as if who creates money, how, and for what purpose were irrelevant technicalities. In fact, these questions lie at the heart of how modern Capitalism concentrates wealth and power in the hands of a few. Many authors—including Thomas Piketty, in 'Capital in the Twenty-First Century' —have documented the astonishing rise in inequality in recent decades. But the root causes remain elusive within mainstream frameworks, largely because they fail to examine the true source: the creation and control of money.

Technocratic Dreams and the Illusion of Apolitical Reform

Proposals to reform money often focus on technical designs, like replacing fractional reserve banking with full-reserve systems, or issuing gold- or silver-backed currency. These “technocratic dreams” imagine that monetary reform is a neutral, engineering problem, solvable through clever design. But such proposals ignore the foundational reality: money is power. Who controls its creation controls the economy—and by extension, society. As argued in my paper Technocratic Dreams, Political Realities, the failure of full-reserve banking proposals lies not in their mechanics but in their neglect of the political economy. Reforming money requires challenging entrenched interests and navigating complex institutional structures. This is why textbook definitions—money as a “medium of exchange” or “store of value”—are misleading: they erase power from the equation. Among Muslims, a common response is to advocate for a return to gold and silver currencies. But this too is a

profoundly shapes lives around the world. Yet, textbooks teach that "money is a veil"—and that to truly understand the economy, one must look through the veil and ignore money altogether. It is this striking disconnect between economics and reality that led to the Global Financial Crisis of 2007. At the University of Minnesota, the influential economist Edward Prescott reportedly taught his graduate students that "postal economics is more central to understanding the economy than monetary economics." This raises a deep and troubling question: why do economists go to such lengths to downplay the role of money—when, in the real world, the adage "money makes the world go round" is far closer to the truth?

The myths surrounding money are not accidental—they conceal the deeper realities of power. At the heart of the monetary system lies a critical question: Who has the authority to create money, and in whose interests is that power exercised? The links between power and money are foundational to the functioning of capitalist economies. My paper, The Battle for the Control of Money, explores this hidden architecture of monetary power. It shows how money creation is monopolized by a small elite—primarily through private banking systems—who use it to serve their own interests, deepening inequality and reinforcing structures of control. Modern myths about money serves to legitimize existing power configurations, erasing the moral and political dimensions of economic life, and shields the mechanisms of domination from critical scrutiny.

Despite its central role in shaping economies, the process by which money is created remains one of the most carefully guarded secrets of modern finance. For decades, economics textbooks taught that banks are mere intermediaries—collecting deposits from savers and lending them to borrowers. In reality, private banks create the vast

Dr. Asad Zaman

How Monetary Myths Conceal Power?

Modern economics rests on a dangerous illusion: that abstract, universal laws—derived primarily from the European experience—can be applied across all societies, times, and contexts. This false assumption has allowed economists to present their theories as objective and value-neutral, masking the deeply political and historical foundations of economic life. In an earlier post Reclaiming Lost Narratives: A New Approach to Social Science., I argued that we must reject this illusion and return to the original, historically grounded and morally engaged vision of economics. This post illustrates that argument by tracing how mainstream theories about money conceal its true nature as an instrument of power.

A dramatic digital illustration showing a money printing machine on the left, operated by two fat, smug, cigar-smoking tycoons in suits and top hats. Printed currency flows continuously from the machine across the entire image. In the center, economists in lab coats crouch with microscopes, rulers, and compasses, intensely analyzing the currency with confused expressions. On the right, a crowd of impoverished people strain with their hands to lift the enormous sheet of currency, visually burdened by it. The background is dark, industrial, and grim, with lighting highlighting the tension between power, illusion, and oppression.

Prologue: Rethinking Finance from the Ground Up

Nobel Laureate Paul Romer has observed that standard economic theories about money are "wildly incorrect," and that the doctrines on which they rest are "fundamentally flawed." This level of ignorance is astonishing, given that money serves as the lifeblood of modern economies and